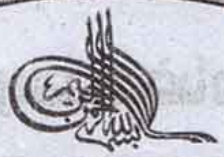

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر ۲۲ شمارہ نمبر ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۶ھ دسمبر 2024ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان، گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

UAN: 061-111-122-133
E-mail: wifaqulmadaris@gmail.com Web: www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرا اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی بوہڑ گیٹ ملتان
شائع کردہ: مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

انسدادِ سود اور مدارس کے متعلق آئینی ترامیم کی منظوری	شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم	۳
اِن شاء اللہ ایک دن ہم مسجد اقصیٰ کو آزاد دیکھیں گے	شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم	۸
''وفاق المدارس'' ایک تاریخ اور طویل جدوجہد کا نام ہے	شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم	۱۱
علومِ حدیث کی تطبیق میں اِفراط وتفریط کے مظاہر	مولانا محمد عبدالمالک	۱۸
علمِ حدیث کے طلبہ کو چند قیمتی نصیحتیں	شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ	۲۹
اساتذہ کرام کے املائی نوٹس محفوظ کرنے کی ضرورت	مولانا مفتی عبداللہ فردوس	۳۱
نامور فقیہ، ماہر قانون دان ڈاکٹر شیخ مصطفی الزرقا	مولانا بدرالحسن القاسمی	۳۶
حضرت مولانا محمد اَنور بدخشانی نوّر اللہ مرقدہ	صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی	۴۳
دَرسِ عبرت	مولانا مفتی منیب الرحمٰن	۴۸
اجلاس مسؤلین بلوچستان	مولانا مفتی سید عبدالرحیم الحسینی	۵۱
اجلاس مسئولین وفاق صوبہ خیبر پختونخوا	مولانا مفتی سراج الحسن	۵۳
تبصرہ وتعارفِ کتب	محمد اَحمد حافظ	۵۷

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر- سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر- ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زرسالانہ مع ڈاک خرچ: 500 روپے

انسدادِ سود اور مدارس کے متعلق آئینی ترامیم کی منظوری

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم

گزشتہ دو ماہ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں نہایت ہنگامہ خیز گزرے ہیں، ایک طرف آئینی ترامیم پاس کرانے کا ڈول ڈالا گیا، اور اس کے لیے ہزار جتن کیے گئے، دوسری طرف حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہم کا حرفِ اِنکار تھا۔ اس ساری کشاکش میں فاتح حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رہے۔ انہوں نے کمال استقامت کے ساتھ نہ صرف طاقتور حلقوں کا شدید دباؤ برداشت کیا بلکہ آئینی ترامیم میں کوئی ایسی شق شامل نہیں ہونے دی جو ملک وقوم کے مفاد کے خلاف ہو۔ اس لیے وہ بجا طور پر ''محسن پاکستان'' کے ٹائیٹل کے مستحق ہیں۔

اس سارے معاملے میں جو نقد وصول ہوا؛ اس میں سود اور دینی مدارس کے حوالے سے آئینی ترامیم کی منظوری ہے۔ آئینی طور پر سود کے خاتمے کی ڈیڈ لائن مقرر کر دی گئی ہے۔ دینی مدارس کی رجسٹریشن ہمارا دیرینہ مسئلہ تھا؛ اس کا حل دینی مدارس کی امنگوں کے مطابق کر دیا گیا ہے۔ یہ بہت بڑی پیش رفت ہے۔ دینی مدارس کے حوالے سے سینٹ اور قومی اسمبلی میں پیش کی جانے والی ترمیم درج ذیل ہے (ترجمہ):

26ویں ترمیم ایک حصہ، جو دینی مدارس کے رجسٹریشن کے معاملات سے متعلق ہے۔ جو جمعیۃ علماء اسلام کی تجویز پر شامل ہوا۔

''سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ 1860 میں مزید ترمیم کرنے کے لیے، چونکہ سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ 1860 (XXI of 1860) میں اس طریقے سے اور اس کے بعد ظاہر ہونے والے مقاصد کے لیے مزید ترمیم کرنا مناسب ہے۔ یہ مندرجہ ذیل طور پر نافذ کیا جاتا ہے:

-1 مختصر عنوان اور آغاز۔

(1) اس ایکٹ کو سوسائٹیز رجسٹریشن (ترمیمی) ایکٹ، 2024 کہا جائے گا۔

(2) یہ فوراً نافذ ہو جائے گا۔

2. سیکشن 21، 1860 کے ایکٹ XXI کا متبادل۔- سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ، 1860 (1860 کا XXI)

میں سیکشن 21 کے لیے، درج ذیل کو متبادل کیا جائے گا، یعنی:-21. دینی مدارس کی رجسٹریشن۔ ہر دینی مدرسہ، جس نام سے بھی پکارا جائے، درج ذیل طریقے سے رجسٹریشن کیے بغیر کام نہیں کرے گا، یعنی:-(a) سوسائٹیز رجسٹریشن (ترمیمی) ایکٹ، 2024، (2024) کے آغاز سے پہلے موجود دینی مدرسہ، اگر پہلے سے رجسٹرڈ نہیں ہے، تو سوسائٹیز رجسٹریشن (ترمیم) کے آغاز سے چھ ماہ کے اندر اندر اس ایکٹ کے تحت خود کو رجسٹر کرائے گا۔) ایکٹ، 2024 (2024)؛ اور کا (b) سوسائٹیز رجسٹریشن (ترمیمی) ایکٹ، 2024، (2024) کے آغاز کے بعد قائم ہونے والا دینی مدرسہ اپنے قیام کے ایک سال کے اندر اندر اس ایکٹ کے تحت رجسٹر ہو جائے گا۔ وضاحت۔ ایک دینی مدرسہ جس میں ایک سے زیادہ کیمپس ہوں صرف ایک رجسٹریشن کی ضرورت ہوگی۔

(2) ہر دینی مدرسہ اپنی تعلیمی سرگرمیوں کی سالانہ رپورٹ رجسٹرار کو پیش کرے گا۔

(3) ہر دینی مدرسہ کو ایک آڈیٹر کے ذریعے اپنے کھاتوں کا آڈٹ کروانے کا حکم دیا جائے گا اور اپنی آڈٹ رپورٹ کی ایک نقل رجسٹرار کو جمع کرائے گی۔

(4) کوئی دینی مدرسہ کوئی ایسا لٹریچر نہیں پڑھائے گا اور نہ ہی شائع کرے گا۔ عسکریت پسندی کو فروغ دیتا ہے یا فرقہ واریت یا مذہبی منافرت پھیلاتا ہے: بشرطیکہ یہاں موجود کوئی بھی چیز مختلف مذاہب یا مکاتب فکر کے تقابلی مطالعہ یا قرآن پاک، سنت یا اسلامی فقہ میں شامل کسی دوسرے مضمون کے مطالعہ پر پابندی نہیں لگائے گی۔

(5) ہر دینی مدرسہ اپنے وسائل کے مطابق مرحلہ وار پروگرام کے مطابق اپنے نصاب میں بنیادی عصری مضامین شامل کرے گا۔

(6) اس ایکٹ کے تحت دینی مدرسہ کی رجسٹریشن کے لیے، کسی بھی دینی مدرسے کو اس وقت نافذ العمل قانون کے تحت خود کو رجسٹر کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

(7) ایک بار اس ایکٹ کے تحت رجسٹر ہونے کے بعد، کسی بھی دینی مدرسے کو کسی دوسرے قانون کے تحت رجسٹر کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی جو بھی اس وقت نافذ ہے۔" وضاحت اس سیکشن میں "دینی مدرسہ" کا مطلب ایک دینی ادارہ ہے اور اس میں جامعہ یا دارالعلوم شامل ہے، جسے کسی دوسرے نام سے پکارا جاتا ہے، جو بنیادی طور پر دینی تعلیم فراہم کرنے کے مقاصد کے لیے قائم یا چلایا جاتا ہے، جو رہائش اور رہائش کی سہولت فراہم کرتا ہے۔": مقاصد اور وجوہات کا بیان دینی مدارس ہر مسلمان کو دینی تعلیم دینے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ ساتھ ہی، ایسے دینی

مدارس کو ایک قانون کے تحت رجسٹرڈ ہونا ضروری ہے تا کہ ان کی سرگرمیوں کو مناسب طریقے سے چیک کیا جا سکے۔ تاہم، مناسب قانون سازی کی عدم موجودگی میں دینی مدارس کی رجسٹریشن میں کچھ سنگین مسائل دیکھے گئے ہیں۔ لہٰذا، ایک قانون کی چھتری میں دینی مدارس کی رجسٹریشن کا بندوبست کرنا مناسب ہے۔ 2. یہ بل مذکورہ مقصد کو حاصل کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔''

مدارس سے متعلق یہ جو ترمیمی بل آیا ہے؛ یہ وہی ڈرافٹ ہے جو پچھلی نگران حکومت کے آخری دنوں میں متفقہ طور پر تیار ہوا تھا اور اس پر حکومت پاکستان کے تمام اسٹیک ہولڈرز اور اتحاد تنظیمات مدارس کی قیادت نے اتفاق رائے کیا تھا۔ یہ ترمیمی بل بنیادی طور پر 1860ء کے سوسائٹی ایکٹ کی دفعہ 21 کی ہی توضیح ہے، اس لیے کہ وہ بھی پہلے سے ایک قانون ہے۔ اس سوسائٹی ایکٹ میں پیش کی جانے والی ترمیم پہلے سینٹ میں پیش ہوئی، اس کے بعد قومی اسمبلی میں پیش کی گئی اور دونوں جگہ متفقہ طور پر پاس ہوئی۔

یاد رہے کہ دینی مدارس کو، دینی مدارس کے تمام وفاقوں کو رجسٹریشن سے کبھی بھی اختلاف نہیں رہا، پاکستان بننے کے بعد سے ہی مدارس کی رجسٹریشن شروع ہوگئی تھی اور مدارس نے ہر دور میں رجسٹریشن کروائی، جب بھی اس میں کوئی تعطل آیا تو وہ حکومت کی وجہ سے آیا، مدارس کی وجہ سے نہیں آیا۔ بلکہ مدارس تو ہر دور میں مطالبہ کرتے رہے کہ مدارس کی رجسٹریشن کرو، ان کے اکاؤنٹس کو کھولا جائے۔ مدارس اس کے لیے مطالبات کرتے رہے ہیں۔ اس لیے مدارس کا حکومت سے نفس رجسٹریشن پر کوئی اختلاف نہیں البتہ طریق کار پر اختلاف ہے۔

اختلاف کی وجہ یہ تھی کہ حکومت کی منشاء یہ رہی کہ وفاقی وزارتِ تعلیم میں جو مذہبی تعلیم کا ڈائریکٹوریٹ قائم کیا گیا ہے اس کے تحت مدارس کی رجسٹریشن ہو، جب کہ وفاق المدارس اور اتحاد تنظیمات مدارس کا موقف تھا کہ حسب سابق سوسائٹی ایکٹ کی دفعہ 21 کے تحت مدارس کی رجسٹریشن ہونی چاہیے۔ جس میں محض مدارس کی ہی رجسٹریشن کے لیے 2004ء، 2005ء میں ترمیم ہوئی تھی۔

اس سلسلے میں ہمارا جو موقف رہا ہے اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ حکومت کا کام عوام کو سہولت دینا ہے، لوگوں کے لیے مسائل اور پریشانیاں کھڑا کرنا نہیں ہے۔ اگر پاکستان کے تمام مدارس کی رجسٹریشن مذہبی تعلیم کے ڈائریکٹوریٹ میں ہوتی، اور اس کے لیے دُور دَراز کے مدارس کو خصوصاً اسلام آباد جانا پڑتا، اس سے ایک تو اسلام آباد کے دفتر پر بوجھ ہوتا، نمبر دو مدارس کے لیے بھی مشکلات ہوتیں۔ اس لیے کہ وہاں کام کے لیے دن نہیں مہینے اور سال بھی لگ

سکتے ہیں۔ جب کہ مختلف جگہوں پر جوریجنل دفاتر ہوں گے ان کا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پورے ملک کے مدارس ایک بڑی پریشانی میں مبتلا ہوجاتے۔ اور تمام مدارس کی رجسٹریشن اسلام آباد ہونے سے رشوت کا دروازہ بھی کھلتا، لوگوں کے لیے مشکلات بھی بڑھتیں۔

اس لیے سہولت اور آسانی سابقہ معاملے میں ہی تھی کہ ہر ضلع یا تحصیل میں متعلقہ دفتر میں مدارس کی رجسٹریشن ہو، اس میں وقت بھی کم لگے گا اور ان شاء اللہ مشکلات بھی نہیں ہوں گی۔

دوسری وجہ ہمارے اس موقف کی یہ ہے کہ اٹھارویں ترمیم کے بعد رجسٹریشن صوبائی دائرہ اختیار میں آتی ہے۔ اب اگر مدارس کی رجسٹریشن صوبائی محکمے کی بجائے مرکز کر رہا ہے تو پھر صوبے اور مرکز میں چپقلش پیدا ہوگی۔ صوبائی خودمختاری کا تقاضا اور دیگر مسائل اٹھیں گے۔ اس لیے یہ معاملہ صوبائی حکومتوں کے سپرد رہنا چاہیے۔ کیونکہ صوبائی حکومتیں بھی چاہتی ہیں کہ مدارس کی رجسٹریشن؛ ان کا ڈیٹا وغیرہ سب ہمارے پاس ہو۔

تیسرا یہ کہ ہم نے وفاقی وزارت تعلیم میں رجسٹریشن سے اس لیے بھی انکار کیا تھا کہ ہمارے پاس اس بات کے ثبوت ہیں کہ مدارس کو سرکاری کنٹرول میں لینا ہے؛ جبکہ دینی مدارس کی آزادی، خودمختاری، خودداری، حریت فکر و عمل؛ دینی تعلیم کی صحیح اور مکمل شکل میں باقی رہنے کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے ہم وفاقی وزارت تعلیم میں رجسٹریشن کو سرکاری کنٹرول میں جانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اسی لیے ہم نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ اس انکار کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ مرکزی سطح پر جو معاملہ کیا گیا محض انتظامی اعتبار سے تھا، اس کی کوئی قانونی بنیاد نہیں تھی۔ ہمارا موقف تھا کہ اس میں دینی مدارس کے لیے سہولت نہیں ہے۔

چوتھا یہ کہ مدارس کو سوسائیٹیز ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ کرانے میں ان کی خودمختاری کا تحفظ بھی ہے، پھر یہ کہ اس کی قانونی بنیاد موجود ہے، وہ باقاعدہ دفعہ 21 کی ترمیم بھی ہوئی تھی، اس کو پورا کرتی ہے، اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ مدارس کی رجسٹریشن اس کے تحت ہونی چاہیے۔ ایک تو یہ؛ پھر یہ معاملہ دیکھنے کی بھی ضرورت ہے کہ گزشتہ حکومت کے دور میں جو نئے قوانین بنا دیے گئے ہیں جن میں چیئرٹی ایکٹ ہے، اوقاف ایکٹ ہے، گویا مدرسہ ایک نہیں کئی سارے قوانین کے تحت رجسٹریشن کا پابند ہوگا، کیونکہ مدرسہ کو ایک سوسائٹی چلاتی ہے تو اس پر ''سوسائٹی ایکٹ'' بھی لگتا ہے، مدارس کی زمینیں وقف ہوتی ہیں تو اس پر ''اوقاف ایکٹ'' لگتا ہے۔ پھر وہ عطیات سے چلتے ہیں؛ تو ''چیئرٹی ایکٹ'' کے تحت بھی آتے ہیں۔ پھر وزارت تعلیم میں تعلیمی ادارہ ہونے کی وجہ سے رجسٹرڈ ہو تو اس حیثیت میں

مدارس پر مزید قوانین کا اطلاق ہوگا۔اس لیے ہمارا موقف یہ تھا کہ اسمبلی میں ایسی ترمیم ہو کہ مدرسے کی رجسٹریشن کے لیے سوسائٹی ایکٹ کے علاوہ کسی بھی اور قانون کے تحت رجسٹریشن کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔

الحمدللہ! یہ جو حالیہ ترمیم ہوئی ہے سینیٹ اور قومی اسمبلی میں اس میں یہ مان لیا گیا ہے کہ مدرسے کی رجسٹریشن سوسائٹی ایکٹ کے تحت ہی ہوگی پھر اسے کسی اور قانون سے رجسٹریشن کی ضرورت نہیں ہوگی۔

یہ ایک دیرینہ مسئلہ تھا جو حل ہوا؛ لیکن چونکہ قومی اسمبلی اور سینیٹ کا دائرہ اختیار پورے ملک پر لاگو نہیں ہوتا اس وجہ سے ضرورت اس بات کی ہوگی کہ چاروں صوبائی اسمبلیوں سے بھی بعینہٖ یہی ترمیم منظور ہو، اہم بات یہ ہے کہ اس پر عمل درآمد کے لیے بھی کسی جانب سے رکاوٹیں نہ ڈالی جائیں۔ورنہ تو ہمارے ملک میں قانون کیا آئین پر بھی عمل نہیں ہوتا۔ جب چاہے آئین کو بھی معطل کر دیا جاتا ہے، بہرحال ابھی یہ مرحلے باقی ہیں، چاروں صوبائی اسمبلیوں سے منظور ہونا، اور اس پر عمل درآمد بھی ہونا باقی ہے۔اس کے لیے ہم بہت عرصے سے کوشش کر رہے تھے، کئی مرتبہ مذاکرات ہوئے، ڈرافٹ بنے، اور اسمبلی میں پیش ہونے کے لیے بھیجا گیا، پچھلی حکومت میں عین وقت پر کچھ نادیدہ قوتوں نے اسے رُکوایا، اس سلسلے میں جو حالیہ پیش رفت ہوئی ہے، یہ ایک حوصلہ افزا اور امید افزا ہے، لیکن ابھی بھی یہ پوری طرح سو فی صد مسئلے کا حل نہیں ہوا ہے، بلکہ ابھی کچھ مرحلے باقی ہیں۔

اس سلسلے میں حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا کردار بہت اہم رہا ہے، راقم خود بھی ان سے مسلسل رابطے میں رہا ہے، شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم رابطے میں رہے، سینیٹر کامران مرتضیٰ صاحب سے ہم رابطے میں رہے، انہوں نے بہت محنت کی اور اتحاد تنظیمات میں شامل بعض دوسری تنظیمات کے قائدین بھی رابطے میں رہے، لیکن زیادہ تر میں اور حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم مولانا فضل الرحمن صاحب اور کامران مرتضیٰ صاحب سے رابطے میں رہے، الحمدللہ باہمی مشاورت، رابطوں سے اس حد تک یہ ترمیم کامیاب ہوگئی ہے۔اس ترمیم میں حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کا بہت موثر کردار رہا ہے، انہوں نے دینی مدارس کے سرپرست ہونے کا حق ادا کیا ہے، اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔اس شاندار کامیابی کے بعد حضرت شیخ الاسلام صاحب دامت برکاتہم اور راقم نے اسلام آباد جا کر مولانا فضل الرحمٰن مدظلہم کو مبارک باد پیش کی۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو ان کامیابیوں کے ثمرات کو سمیٹنے اور انہیں سنبھالنے کی توفیق عطا فرمائے؛ آمین!۔

اِن شاء اللہ ایک دن ہم مسجد اقصیٰ کو آزاد دیکھیں گے

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان؛ نے سات اکتوبر 2024ء کو کراچی میں منعقد ہونے والی عظیم الشان ''قومی فلسطین کانفرنس'' میں ایمان افروز بیان فرمایا، یہ بیان تحریری صورت میں قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم الحمدللّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین وعلٰی کل من تبعھم باحسان الٰی یوم الدین؛ اما بعد:

حضرات علماء کرام، اور معزز حاضرین السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ!

آج کی رات کراچی کی تاریخ کی ایک منفرد رات ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایک مقدس مقصد کے لیے تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام تشریف فرما ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کے شکر کے بعد اس کانفرنس کے منتظمین کے ساتھ، آپ سب حضرات کا بھی مشکور ہوں جو اس جلسہ کی زینت ہیں- الحمدللہ اس وقت حد نگاہ تک میرے سامنے سر ہی سر ہیں، اور یہ سب ایک مقصد کے لئے جمع ہوئے ہیں، اور وہ یہ کہ اپنے آپ کو فلسطین اور غزہ کے مسلمانوں اور مجاہدین کی صف میں کھڑا کرسکیں- میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے آج اپنے گھروں سے نکل کر اس میدان میں حاضری دی، اور مجاہدین فلسطین اور فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ ہم آواز ہونے اور ان کے ساتھ کھڑے ہونے کے لئے آپ یہاں تشریف لائے۔

میں پہلے کئی بار اپنی تقریروں اور تحریروں میں یہ عرض کرتا رہا ہوں کہ اس وقت عالم اسلام اس فلسطین کے جہاد کے موقع پر ایک انتہائی تاریخی نقطے سے گزر رہا ہے- مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے یقین ہے کہ جن مجاہدوں نے اپنی اور اپنے گھر والوں کی جانیں قربان کیں، ہماری وہ بہنیں اور ہمارے وہ بچے جو اس مقدس جہاد میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے ہیں اور ان کے وہ اہل خانہ جوان کی شہادت پر آنسو بہانے کی بجائے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا پر راضی رہے- یہاں تک میں نے سنا کہ ایک شخص جس کے گھر کے سارے افراد اس مقدس جہاد میں شہید ہوئے، اس نے اپنے اللہ سے یہ کہا کہ یا اللہ آپ کو اگر اور کچھ چاہیے تو میں وہ بھی دینے کو تیار ہوں، اگر میرے سارے گھر والے آپ کی راہ میں قربان ہوگئے ہیں تو اگر آپ کو اور کچھ چاہیے تو میں اس کے لئے بھی تیار

ہوں، ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں لیکن آپ کی توحید کا کلمہ ہم سرنگوں نہیں ہونے دیں گے- اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان مجاہدوں کو یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ اس پرآشوب دور میں جہاں امریکہ، برطانیہ مغربی ممالک کے غلامی کا جوطوق عالم اسلام کے ملکوں نے اپنے گلے میں پہنا ہوا ہے، اس حالت میں ان نہتوں نے، ان سرفروشوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر دنیا کو بتایا کہ آج ہم اللہ کے نام پر جہاد کرنے والے ہیں اور دنیا کی کوئی طاقت ہمیں مرعوب نہیں کر سکتی- اسی کا نتیجہ ہے کہ آج سے پورے ایک سال پہلے اسرائیل نے یہ دعویٰ کیا تھا، کہ وہ "حماس" کو ختم کرنے کے لئے میدان میں آئے ہیں اور حماس کو ختم کر دیں گے- آج پورا ایک سال گزر گیا لیکن ان کا یہ خواب نہ صرف پورا نہیں ہوا، بلکہ پوری دنیا نے اسرائیل کی ذلت کا تماشہ دیکھا ہے- اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے لوگوں کو دکھایا کہ قدرت اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے، اور جو بھی اللہ کے دین کی نصرت کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت اس کے ساتھ ہوتی ہے- اس سے پہلے میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ جب سے فلسطین کا یہ جہاد شروع ہوا ہے، ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس جہاد میں جس طرح بھی مجاہدین کی مدد کر سکے یہ اس کے اوپر فرض عین ہے، جو مدد بھی وہ کر سکتا ہے وہ اس کے ذمے فرض عین ہے- اصل فریضہ تو حکمرانوں کے اوپر عائد ہوتا ہے کہ وہ خاموش تماشائی بن کر دیکھنے کے بجائے اور لفظی بحث اور زبانی حمایت کا اظہار کرنے کے بجائے، عملی طور پر اسرائیل کا منہ توڑیں، جو ہمارے بچوں پر، ہماری عورتوں پر، ہماری مسجدوں پر اور ہمارے ہسپتالوں پر ہر گھنٹہ اپنی طاغوتی طاقت کا مظاہرہ کر رہا ہے- ہم لوگ جن کے پاس براہ راست ہتھیار نہیں ہیں، براہ راست ہم جنگ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، ان کے ذمے بھی اپنی جان ومال سے ان کی امداد کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے جتنی اس کی طاقت ہو-

آج آپ لوگ جو اس میدان میں جمع ہوئے ہیں یہ بھی جہاد کا ایک حصہ ہے، یہ آپ جہاد کر رہے ہیں- اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہر ایک انسان کو اپنی وسعت کی حد تک مکلف فرماتا ہے- حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جب معتزلہ کے ہاتھوں جیل میں بند تھے قید تھے، تو ہر جمعہ کے وقت جب اذان ہوتی اور اذان کا منادی جمعہ کی طرف پکارتا تو وہ اپنے کمرے سے اٹھ کر دروازے تک پہنچ جاتے تھے دروازے پر تالا لگا ہوتا تھا، اس کو کھولنے کی کوشش کرتے تھے جو پولیس والے وہاں پر موجود تھے، وہ کہتے تھے آپ کیا لغو کام کر رہے ہیں؟ آپ سے یہ دروازہ نہیں کھل سکتا، آپ پر بند ہے یہ دروازہ، امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ میرے قرآن نے یہ کہا ہے:

اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللہ

''اے ایمان والو! جب جمعہ کی اذان ہو تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑا کرو اللہ کے ذکر کے لیے چلا کرو۔''

میرے بس میں اتنا ہے کہ میں ذکر اللہ کی طرف جتنا چل سکتا ہوں اتنا چل جاؤں، اس دروازے اور گیٹ تک

آنے کی طاقت ہے، اس سے آگے کی میرے اندر طاقت نہیں ہے لہٰذا میں اس فریضے کو دروازے تک آنے کے فریضے کو انجام دیتا ہوں اور دیتا رہوں گا ہر جمعہ میں ایسا ہی کروں گا- تو میرے بھائیو! اگر آپ براہ راست اس جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے لیکن آپ اس دروازے تک تو آ گئے ہیں، یہ جلسہ یہ اجتماع یہ کانفرنس یہ درحقیقت دروازہ ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی بندہ اپنی استطاعت کی حد تک اپنا کام کر لیتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنا کام کرتا ہے- اور فتح ونصرت سے نوازتا ہے، لہٰذا آپ حضرات کا یہاں آنا اور یہاں پر اس جلسے کے اندر حاضری دینا یہ بھی جہاد کا ایک عظیم حصہ ہے-

دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمان وہ خواہ کتنا ہی بے بس لاچار ہو، لیکن حق کے لیے کھڑا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے- آپ حضرات نے الحمدللہ اپنے اس اجتماع سے یہ حقیقت واضح کر دی اللہ کرے کہ یہ حقیقت ہمارے حکمرانوں پر بھی واضح ہو، یہ ایسا وقت ہے، اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے بھروسے پر میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ یہ منظر بدلے گا، ضرور بدلے گا، آج ہماری گردن میں جو غلامی کا طوق پڑا ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے ان طوقوں کو نکالنے کے لیے ان فلسطین کے مجاہدوں کا انتخاب کیا ہے اور ان شاء اللہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے، اس کے انعام وکرم سے فتح یاب ہوں گے-

ہزار بار اسرائیل کہا کرے کہ میں حماس کو مٹا کر دم لوں گا، اور امریکہ یہ کہا کرے کہ حماس دہشت گرد ہے جو کچھ بھی وہ کہا کرے- دہشت گردی کا مظاہرہ تو آپ نے دیکھا جوان بچوں کے ساتھ ہو رہا ہے، نومولود بچوں کے ساتھ کس دہشت گردی کا مظاہرہ ہو رہا ہے، عالمی عدالت فیصلہ دے چکی کہ یہ قتل عام کے مجرم ہیں- لیکن امریکہ اب تک اس کی پشت پر کھڑا ہوا ہے اور اس کام کو بڑھاوا دے رہا ہے، لیکن ایک وقت آئے گا وقت ایک جیسا نہیں رہتا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے وقت آئے گا، ضرور آئے گا بس شرط یہ ہے کہ ہم اپنے عزم پر، اپنی ہمت پر اور اپنی بات پر قائم رہیں تو ان شاء اللہ ایک دن ہم مسجد اقصیٰ کو آزاد دیکھیں گے۔ اسرائیل کے قبضے سے آزاد دیکھیں گے -اور اس میں آپ لوگوں کا حصہ بھی شامل ہوگا جنہوں نے آ کر مسجد اقصیٰ کے کاز کے لیے اپنی اپنی حاضری فراہم کی- اللہ تعالیٰ آپ کی حاضری کو قبول فرمائے، اور جتنے حضرات اکابر یہاں تشریف فرما ہیں ان کی حاضری کو قبول فرمائے اور ہماری آنکھیں بیت المقدس کے آزادی سے ٹھنڈی ہوں، اور ہمیں اللہ تعالیٰ وہاں جا کر نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے- وآخر دعوانا اَن الحمدللہ رب العالمین۔

''وفاق المدارس'' ایک تاریخ اور طویل جدوجہد کا نام ہے

خطاب: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم

ضبط وترتیب: محمد احمد حافظ

۲۰ راکتوبر ۲۰۲۴ء کو جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت کراچی بھر کے مہتممین مدارس اور صوبہ سندھ کے مسئولین وفاق کا سیمینار منعقد ہوا۔ اس سے قبل وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی امتحانی کمیٹی کا بھی اجلاس ہوا۔ ان اجلاسوں میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری، حضرت مولانا عبیداللہ خالد، حضرت مولانا امداداللہ یوسفزئی، حضرت مولانا راحت علی ہاشمی، حضرت مولانا عبدالرزاق زاہد، حضرت مولانا عبدالمجید خان (ناظم دفتر وفاق ملتان) نے بطور خاص شرکت کی۔

وفاق المدارس کے سیمینار سے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ؛ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، اور ناظم اعلیٰ وفاق المدارس حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم نے اہم اور پرمغز خطاب فرمایا۔ حضرت ناظم اعلیٰ صاحب نے جہاں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی تاسیس، مقاصد واہداف اور پالیسی پر تفصیل سے روشنی ڈالی وہیں اہل مدارس کو بعض اہم قابل اصلاح اُمور پر بھی توجہ دلائی۔ خطاب کے تمام مندرجات اس قابل ہیں کہ انہیں ذہن نشین کیا جائے۔ ذیل میں حضرت ناظم اعلیٰ صاحب مدظلہم کے خطاب کے اہم مشمولات کو نکتہ وار پیش کیا جارہا ہے۔ حضرت ناظم اعلیٰ وفاق نے اپنے خطاب میں فرمایا:

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کو 65 برس مکمل ہو چکے ہیں۔ وفاق کی ایک تاریخ ہے، ایک طویل جدوجہد ہے۔ یہ ادارہ بے مقصد نہیں بنا بلکہ بامقصد ادارہ بنا۔ وفاق المدارس کے بنیادی مقاصد جو اس کے اکابر اور بانیوں نے طے کیے وہ بنیادی طور پر چار اہم مقاصد ہیں:

۱۔ سب سے پہلا مقصد جو وفاق کے بانیوں نے 1959 میں طے کیا تھا دینی مدارس کو متحد اور منظّم کرنا۔ حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ پاکستان بننے کے بعد ہمارے علمی مراکز ہندوستان میں رہ گئے، اب پاکستان میں مدرسے بن رہے ہیں، ان مدرسوں کو ایک لڑی میں پرونے کی ضرورت ہے، ان کو متحد کرنے کی ضرورت ہے، ان کو منظم کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کو منظم اور متحد کریں گے تو ہماری طاقت ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے جو پہلا مقصد طے کیا وہ مدارس کو جوڑنا، مدارس کو متحد کرنا، ہم آہنگی پیدا کرنا، وحدت اور اتحاد

پہلا مقصد ہے وفاق المدارس کا۔

۲۔ دوسرا مقصد وفاق کا مدارس کی تنظیم ہے، اکابر علماء نے تو یہاں تک لکھا ہے، وفاق کے ریکارڈ میں یہ بات موجود ہے کہ ہماری خواہش ہے کہ پاکستان کے تمام مدارس کا نصاب تعلیم بھی ایک ہو، نظام تعلیم بھی ایک ہو، الحمدللہ ہمارا نصاب تعلیم تو ایک ہے، نظام تعلیم بھی اللہ کرے ایک ہو جائے کہ ایک ہی تاریخ کو داخلوں کا اغاز کریں، ایک ہی تاریخ میں داخلوں کو بند کریں۔ تمام مدارس میں کراچی سے پشاور اور کوئٹہ سے گلگت تک ایک ہی دن میں مدارس میں اسباق شروع ہوں، تعلیم شروع ہو اور ایک ہی دن میں اسباق ختم ہوں اور تعلیم بند ہو۔ تمام مدارس کے سہ ماہی اور ششماہی امتحانات کی تاریخ بھی ایک ہو۔ سالانہ امتحانات کی تاریخ ایک ہو، تمام مدارس میں چھٹیاں ایک ہی دن ہوں اور ختم بھی ایک ہی دن ہوں، ہمارے اکابر اس طرح چاہتے تھے۔

الحمدللہ نصاب تعلیم، نظام تعلیم، اور نظام امتحانات میں بہت حد تک وحدت ہے۔

۳۔ تیسرا مقصد معیارِ تعلیم و تربیت بلند کرنا؛ میرے پاس جو وفاق کی تاریخ ہے اس میں مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نکات ریکارڈ میں موجود ہیں، آپ نے لکھا ہے:

مدارس کا مقصد صرف اور صرف دینی علوم کا تحفظ نہیں ہے بلکہ دینی مدارس کا مقصد ایسے رجالِ کار تیار کرنا ہے جو مستند بھی ہوں، جو مستعد بھی ہوں، انہیں رسوخ فی العلم بھی حاصل ہو، علم میں ماہر ہوں، تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر بھی ہوں؛ یہ بھی دینی مدارس کا مقصد ہے۔

۴۔ وفاق المدارس کا چوتھا مقصد دینی مدارس کا تحفظ و استحکام ہے۔

چناں چہ یہ چار بنیادی مقصد ہیں:

۱۔ اتحاد۔ ۲۔ تنظیم۔ ۳۔ معیارِ تعلیم و تربیت۔ ۴۔ دینی مدارس کا تحفظ۔

آپ سے میری درخواست ہے کہ متحد اور متفق رہیں۔ آپ کی اور میری بقا اسباب کے درجے میں وفاق المدارس ہے۔ حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک رپورٹ میں فرماتے ہیں کہ:

''وفاق المدارس کے فوائد اور منافع اظہر من الشمس ہیں، بدیہی ہیں، بلکہ اجلی البدیہیات میں سے ہیں۔ وفاق کا وجود آفتاب آمد دلیل آفتاب کا مصداق ہے۔''

جہاں تک تنظیم کا معاملہ ہے تو ہم ہر درجے کو منظم کر رہے ہیں، ہم نے آن لائن رجسٹریشن اور داخلوں کا آغاز کیا ہے۔ نصاب تعلیم میں درجہ بندی کی ہے، ہر درجے میں دو دو سال کا وقفہ لایا گیا ہے وفاق کا جو تیسرا مقصد تھا معیار تعلیم اور معیار تربیت، حفظ کا امتحان شروع کیا، متوسطہ کا امتحان شروع کیا۔ جو مدارس اب تک وفاق سے ملحق نہیں

ہیں۔۔۔میری تمام مسئولین سے اور تمام مدارس سے درخواست ہے کہ اپنے دائیں بائیں، یمیناً وشمالاً اپنے علاقوں میں نظر دوڑائیں جہاں بھی کوئی مدرسہ خواہ حفظ کا ہو، وفاق میں شامل نہیں ہے تو آپ اس کو ترغیب دے کر وفاق میں شامل کروائیں۔کوئی مدرسہ لاعلمی میں وفاق سے چلا گیا ہے تو اس کو سمجھا کر دوبارہ وفاق کی چھتری کے نیچے لائیں؛ یہ میرا اور آپ کا کام ہے۔وفاق وقتاً فوقتاً جو ہدایات دیتا ہے، ضوابط بناتا ہے، ان پر مدارسِ بنین اور مدارسِ بنات عمل کریں۔میں یہ دعوت فکر دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا معیارِ تعلیم وتربیت نیچے جارہا ہے۔میں پڑھ رہا تھا کہ وفاق کی مجلس شوریٰ میں ہی ہمارے اکابر میں سے ایک بزرگ کی بات پڑھ رہا تھا اور وہ غالباً حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات ہے؛ فرمایا: ''یہ رفع علم کا زمانہ ہے جو قیامت کی نشانی ہے۔'' آج سے 60 سال پہلے یا 55 سال پہلے وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ رفع علم کا زمانہ ہے جو حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق علاماتِ قیامت میں سے ہے جب 55 سال پہلے یہ حال تھا تو آج کیا حال ہوگا؟۔

وفاق المدارس کے نظام میں آن لائن تعلیم شامل نہیں:

آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں کہ آج طالب علم میں تکرار مطالعے کا، سبق میں حاضری کا کتنا شوق ہے؟ آپ کتنا اس کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔اس لیے معیارِ تعلیم وتربیت کو بڑھانے کے لیے وفاق کی مجلس عاملہ نے یہ فیصلہ کیا ہے اور آپ سے اس پر عمل درآمد کی درخواست ہے کہ وفاق نے اپنے نظامِ تعلیم اور نظامِ امتحان میں آن لائن تعلیم کو شامل نہیں کیا ہے، بہت سے مدرسے آن لائن تعلیم دے رہے ہیں۔لڑکیاں گھر میں ہیں، طلبہ گھر میں ہیں، اپنے اپنے ملکوں میں ہیں، آن لائن تعلیم ہورہی ہے اور وفاق میں داخلے بھیج رہے ہیں، ہمیں پتہ چلتا ہے تو ہم داخلے واپس کر دیتے ہیں۔جو حضرات آن لائن تعلیم دے رہے ہیں وہ دیں، دین پھیلنا چاہیے، جتنا دین پہنچے، جس درجے میں پہنچے، پہنچنا چاہیے لیکن وفاق اس کا امتحان نہیں لے گا۔آن لائن تعلیم کو وفاق نے اپنے نصاب کا حصہ نہیں بنایا۔اس سلسلے میں ایک بات یاد رکھنے کی ہے؛ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے فرمایا کہ:

''ہم صرف کتاب نہیں پڑھاتے، طالب علم صرف کتاب نہیں پڑھتا بلکہ طالب علم استاد کو دیکھ کر بھی پڑھتا ہے۔ وہ استاد سے بھی سیکھتا ہے۔''

اگر ہم نے آن لائن تعلیم ہی دینی ہے تو پھر مدارس کی کیا ضرورت ہے؟ پھر مدارس کی بلڈنگوں اور درسگاہوں کی کیا ضرورت ہے؟ اس سے معیارِ تعلیم اور کم ہوگا؛ نیچے جائے گا۔بعض مدرسے ہفتے میں دو دِن پڑھاتے ہیں، ہفتہ اتوار، بعض دو گھنٹے یا تین گھنٹے روز پڑھاتے ہیں، دِراسات دِینیہ میں تو چل جاتا ہے اس کو تو ہم بھی قبول کرتے ہیں لیکن

باقاعدہ درس نظامی ہفتے میں دو دن یا تین دن یا دو گھنٹے چار گھنٹے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس سے ہمارا تعلیمی نظام خراب ہوگا، اس سے ہمارا تعلیمی نظام کمزور ہوگا، آپ ضرور تعلیم دیں لیکن وفاق میں داخلہ نہ بھیجیں تاکہ ہمارا معیار بلند رہے۔ طلبہ کی تربیت کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں۔

طلبہ کی اخلاقی تربیت میں کمزوری:

امتحان کے دوران نقل، نگران عملے کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی کے واقعات ہر سال بڑھتے جا رہے ہیں یہ ہماری تربیت پر سوالیہ نشان ہے۔ ان طلبہ کی تربیت میں نے اور آپ نے کرنی ہے کہ آپ ان نگرانوں کو بھی استاد سمجھیں، کوئی طالب علم کسی استاد کی بے ادبی نہ کرے۔ یقین کریں ہمارا نگران عملہ بعض اوقات ڈر کی وجہ سے نقل کرنے پر آنکھیں بند کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس سے ہمارا نظام امتحان کمزور ہو جائے گا، اس لیے میری درخواست ہے مدارس کے ذمہ داران سے کہ اپنے طلبہ کی تربیت کریں۔ امتحانی سینٹر میں بھیجنے سے پہلے آپ اپنے طلبہ کی پوری طرح ذہن سازی کریں کہ آپ نے نقل نہیں کرنی، آپ نے ڈاڑھی نہیں منڈوانی، آپ نے گستاخی نہیں کرنی، آپ نے موبائل فون استعمال نہیں کرنا۔

مدارس امتحانی نگرانی کے لیے اہل اور مستعد اساتذہ دیں:

بہت سے مدارس ہمیں نگران نہیں دیتے، دیتے ہیں تو ایسے جنہیں خود اپنے مدرسے والے نگران نہیں بناتے، اس لیے آپ کو چاہیے کہ امتحان کے موقع پر مستعد اور متقی اساتذہ کے نام دیں۔ ہمارے حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ہم نے ان سے کہا کہ ہم نے فلاں مدرسے سے نگران مانگے تھے کہ امتحان کی نگرانی کے لیے ممتحنین بھیجیں، تو انہوں نے انکار کر دیا۔ تو حضرت نے فرمایا کہ ان کو لکھ دو کہ ہم تمہارے طلبہ کا امتحان نہیں لیں گے، تم امتحان سے انکار کر دو۔ ہم نے حضرت کے فرمانے پر ان کو کہہ دیا کہ ہم تمہارا امتحان نہیں لیں گے، ہم نے انہیں لکھ دیا کہ آپ حضرات چونکہ نگران نہیں دے رہے اس لیے ہم آپ کے طلبہ کا امتحان لینے سے معذرت خواہ ہیں۔ جب یہ بات ہوئی تو انہوں نے اگلے دن ہی لکھ دیا ہے کہ آپ کو جتنے نگران چاہییں ہم دیں گے۔ آپ اپنے محنتی، تجربہ کار اور قابل ممتحنین دیں گے، وہ اچھی طرح امتحان لیں گے اور طلبہ کو میرٹ پر نمبر ملیں گے تو کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی۔

راسب طلبہ کا معاملہ:

ہم نے معیار تعلیم کو بلند کرنے کے لیے یہ فیصلہ کیا ہے کہ راسب طلبہ جو ناکام ہو جاتے ہیں؛ پہلے جو طلبہ 33 فیصد نمبر لے لیتے تھے تو ہم ان کو ضمنی میں بیٹھنے کی اجازت دے دیتے تھے، لیکن مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا ہے کہ اگر راسب

جونا کام ہوگیا بھلے اس نے 33 فیصد نمبر لیے ہوں اس کو ضمنی امتحان میں نہیں بٹھائیں گے، طالب علم دوبارہ وہ درجہ پڑھے تاکہ اس کی استعداد مضبوط ہو؛ پھر وہ سالانہ میں امتحان دے سکتا ہے، ضمنی میں نہیں دے سکتا، تاکہ نظام امتحان مضبوط ہو۔

طلبہ میں موبائل فون کے استعمال کا بڑھتا رجحان:

موبائل فون نے طلبہ کو برباد کر دیا ہے یہ اس دور میں نظام تعلیم کا کینسر ہے یہ ٹی بی ہے، اس سے طالب علم کی یکسوئی ؛ارتکاز توجہ میں خلل آتا ہے۔ ہمارا تعلیمی نظام اس سے کمزور ہو رہا ہے، ہمیں اس پر پابندی لگانی چاہیے۔ الحمدللہ کئی مدارس میں اس پر عمل ہو رہا ہے، دارالعلوم کراچی، جامعہ بنوری ٹاؤن، ہمارے جامعہ خیر المدارس ملتان میں طلبہ کے لیے کیمرے والا موبائل رکھنے پر پابندی ہے۔ دیگر مدارس کو بھی اس پر عمل کرنا چاہیے۔

سیکورٹی ایجنسیوں کے ساتھ معاملہ:

مدارس میں ایجنسیاں آتی ہیں کوائف مانگتی ہیں، اس سلسلے میں میری درخواست ہے کہ آپ حضرات جو ضروری کوائف ہیں وہ دے دیں، باقی اگر کوئی آپ سے تفصیلات مانگیں تو کہہ دیں کہ وفاق سے رابطہ کریں۔

مقطوع اللحیہ طلبہ:

دوران امتحان مقطوع اللحیۃ طلبہ کے حوالے سے مسئلہ پیش آتا ہے، امتحان میں ایسے طلبہ بھی آجاتے ہیں جو مقطوع اللحیۃ ہوتے ہیں، حفظ میں بھی اور کتب کے امتحان میں بھی، مقطوع اللحیۃ کی شکایات بہت زیادہ آتی ہیں، میری آپ تمام مہتممین سے درخواست ہے؛ اور آپ یہ بات دوسروں کو بھی پہنچا دیں کہ وہ اپنے طلبہ کا خود معائنہ کر لیں، جس جس کی ڈاڑھی پوری نہیں ہے اس سے کہیں کہ اب اپنی ڈاڑھی کو کاٹنا چھوڑ دو، ابھی سے اگر چھوڑ دیتا ہے تو امتحان تک ان شاءاللہ اس کی ڈاڑھی سنت کے مطابق ہو جائے گی، تو آپ اس پر ابھی سے توجہ دیں۔ تاکہ آپ کے طلبہ کے نتیجے کالعدم نہ ہوں۔

ایسا طالب علم جس کا وفاق میں داخلے کے بعد اخراج ہو گیا ہو:

اگر کسی طالب کا وفاق میں داخلہ بھجوایا گیا، بعد میں اس نے مدرسے میں کوئی ایسا جرم کیا کہ اسے مدرسے سے نکال دیا گیا اور اب آپ کے مدرسے سے امتحان نہیں دے سکتا، نئے داخلے نہیں ہو رہے تو اس کا حل کیا ہے؟ اس کا حل یہ ہے کہ اس طالب علم نے جس نئے مدرسے میں داخلہ لیا ہے اس کی طرف سے طالب علم کا داخلہ بھجوا دیں، ہم اس کا داخلہ قبول کر لیں گے لیکن جس مدرسے نے اس طالب علم کو نکالا ہے وہ اس کی اطلاع دفتر وفاق میں کر دے تاکہ اس

کا وفاق کے نظام میں پہلے مدرسے سے داخلہ منسوخ کر دیا جائے۔

طلبہ کی سندات نہ روکی جائیں:

بعض ایسی شکایات ہیں کہ مہتمم حضرات سندات بغیر پیسے لیے جاری نہیں کرتے، یہ درست بات نہیں۔ طالب علم کی جو سندات وفاق کی جانب سے آئی ہیں وہ آپ کے پاس طلبہ کی امانت ہیں، طلبہ نے ان سندات اور امتحان کے لیے فیس دی ہے تو مزید بوجھ طلبہ پر نہ ڈالیں اور ان کو سند دے دیں، وفاق کی سند کو نہ روکیں۔

مدارسِ بنات اور ختم بخاری کی تقریبات:

ایک شکایت یہ بھی ہے کہ بنات کے مدارس میں طالبات سے (وفاق کے امتحان کے لیے) فیسیں زیادہ لی جاتی ہیں، وفاق کی طرف سے جتنی فیس مقرر ہے اتنی ہی لیں، اس سے زیادہ نہ لیں، اس میں بھی آپ احتیاط کریں۔

بعض مدارس اور جامعات ختم بخاری کی تقریبات بالخصوص مدارس بنات بخاری شریف کے ختم کی تقریبات میں کروڑ کروڑ روپے خرچ کرتے ہیں اور جبری طور پر طلبہ سے پیسے لیتے ہیں، یہ غلط ہے۔ وفاق تو کہتا ہے کہ ختم بخاری کی تقریبات ہی نہ کریں۔ اپنا سالانہ اجتماع کریں، اپنا سالانہ تبلیغی جلسہ کریں، دستار بندی کریں، لیکن اس کے لیے کسی سے زبردستی پیسے وصول نہ کریں۔

پرچوں کی مارکنگ کے لیے اہل اساتذہ کا انتخاب کریں:

پرچوں کی مارکنگ میں مدارس اپنے مستعد، اہل اساتذہ کے نام دیں، نگرانی کے لیے بھی اور پرچے چیک کرنے کے لیے بھی۔ پہلے پرچے چیک کرنے کے لیے اساتذہ کو ملتان آنا پڑتا تھا، اس میں ان کے لیے مشکلات بھی ہوتی تھیں، اب ہم نے الحمدللہ کراچی، کوئٹہ، پشاور اور ملتان میں بھی یعنی چاروں صوبوں میں مارکنگ کا انتظام کر دیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی کہنا چاہوں گا کہ جن اساتذہ کے نام دیں پہلے ان سے رائے لے لیں، دفتر وفاق کی طرف سے طے ہو جانے کے بعد انہیں اطلاع ضرور کریں۔ بعض اوقات متعلقہ استاذ کو اطلاع نہیں ہوتی اور ہمیں پریشانی ہوتی ہے کہ ممتحن صاحب آئے نہیں، تو ایسے اساتذہ کے نام دیجیے جو تشریف لاسکیں، نگرانی اور پرچوں کی مارکنگ کے لیے وقت دے سکیں۔

مراکز بنات کے لیے جگہ کی کمی کا معاملہ:

بنات کے مراکز میں اکثر اوقات جگہ کی کمی ہوتی ہے، اس لیے کہ وہاں مسجدیں تو ہوتی نہیں، بنین کے لیے تو ہم مسجدوں میں امتحانی مرکز مقرر کر لیتے ہیں۔ بنات کے مدارس میں کمرے چھوٹے ہوتے ہیں اس لیے آپ کوشش

فرمائیں کہ بنات کے مدرسوں میں بڑے ہال بھی بنائیں اور جہاں کہیں ہال نہیں ہوگا مجبوراً آپ بچیوں کو قریب کے کسی بڑے مرکز میں یا کسی ہال کو کرائے پر لے کر وہاں امتحانات کا نظم کریں گے، تو پھر متعلقہ مدارس بنات کو اس کا خرچ برداشت کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ بنات کے مدارس سے کئی قسم کی شکایات آتی ہیں، اس سلسلے میں وفاق کا جو ضابطہ ہے اس پر توجہ دیں۔

مدارس اپنے مالی ریکارڈ کو منظم کریں:

مدارس اپنے ریکارڈ کو منظم کریں، بہت سے مدارس اپنے مالیات کا آڈٹ نہیں کراتے، حساب کتاب کا آڈٹ ضرور کروائیں، اپنے داخلے اور خارجے کا رجسٹر رکھیں، تمام طلبہ کا ریکارڈ آپ کے پاس ہونا چاہیے، اسی طرح جو طلبہ کسی بھی کالعدم تنظیم سے وابستہ ہیں ..... دیکھیے ہم اپنے مدارس اور جامعات میں کسی کی ذہنی وابستگی پر کوئی پابندی نہیں لگاتے، لیکن جب تک وہ طالب علم ہے عملی سرگرمی کسی کے ساتھ نہ رکھے۔ وہ اپنی تعلیم کی طرف توجہ دے، ورنہ مدارس کے لیے بہت سی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

اربابِ مدارس کے لیے لمحہ فکریہ:

ایک اور بات جو میں آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں۔۔۔ کہ جس تناسب سے آبادی بڑھ رہی ہے کیا اسی تناسب سے ہمارے مدارس میں طلبہ وطالبات کی تعداد بھی بڑھ رہی ہے؟ دینی تعلیم کی طرف رجحان کم ہوا ہے؟ یا رُکا ہوا ہے یا زیادہ ہو رہا ہے؟ اربابِ مدارس اس کا جائزہ ضرور لیں۔ اعداد وشمار کی روشنی میں جہاں تک میرا اندازہ ہے کہ ہمارے مدارس میں طلبہ وطالبات کی تعداد ہر سال بڑھ تو رہی ہے، ہمارے سالانہ امتحانات میں ہر سال پندرہ سے بیس پچیس ہزار، بعض اوقات چالیس سے پچاس ہزار تک اضافہ ہوتا ہے، لیکن آبادی میں اضافے کے تناسب سے ہمارے ہاں طلبہ کی تعداد میں اضافہ نہیں ہو رہا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ دینی تعلیم کی اہمیت، دینی تعلیم کی ترویج کے لیے آپ باقاعدہ اجتماعات کرائیں اور اپنے دینی اجتماعات میں اس چیز کو ضرور موضوع بنائیں۔ سوچنا چاہیے کہ آپ کے کراچی میں کتنے طلبہ ہیں، جو کراچی شہر سے تعلق رکھتے ہیں یا سندھ سے تعلق رکھتے ہیں؟ یا وہ بلوچستان اور خیبر پختونخواہ سے تعلق رکھتے ہیں، معاف کرنا ہمارے مدرسوں میں (خاص طور پر کراچی میں) بہت بڑی تعداد دوسرے صوبوں کی ہے۔ آپ یہ بھی دیکھیں کہ چاروں صوبوں میں طلبہ وطالبات کی تعداد کے اعتبار سے خیبر پختون خوا سب سے آگے ہے۔ یہ تمام باتیں ہمارے لیے قابل غور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل کی توفیق دے۔ آمین!۔

علومِ حدیث کی تطبیق میں افراط وتفریط کے مظاہر

(دوسراوآخری حصہ)

افادات: مولانا محمد عبدالمالک

تلخیص وتہذیب: مولانا محمد یاسر عبداللہ

علومِ حدیث کی تطبیق میں افراط کا نتیجہ:

علومِ حدیث کے استعمال میں افراط کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ اجماعیات اور مسلّمات کا بھی انکار کر بیٹھتے ہیں، مثلاً:

۱-بعض لوگ عقیدہ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں، جیسے: مصر کے شیخ ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ کسی دور میں نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے قائل نہیں تھے، چوں کہ محتاط آدمی تھے، اس لیے غالباً اس موضوع کے متعلق کوئی کتاب نہیں لکھی، بس ان کے ذہن میں ایک بات آ گئی، شاید ان کی نظر میں چند ایسی روایات ہوں جن پر کلام ہو، اور مکمل تحقیق کا موقع نہ مل سکا، اس لیے ذہن میں یہی نظریہ بن گیا۔ جب شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سے ''التصریح بما تواتر في نزول المسیح علیه السلام'' شائع ہوئی تو شیخ عبدالفتاحؒ نے اس کا ایک نسخہ، شیخ ابوزہرہؒ کو بھی ہدیہ بھیجا، شیخ نے کتاب کے مطالعہ کے بعد شیخ عبدالفتاح کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ:

''اب میری رائے بدل گئی ہے، میرے علم میں نہیں تھا کہ اس بارے میں اس قدر صحیح احادیث موجود ہیں۔''

۲-شیخ محمود شلتوت نے عقیدہ نزولِ مسیح علیہ السلام کے انکار میں ایک کتاب لکھی، جس کے رد میں شیخ کوثری رحمہ اللہ نے ''نَظْرَةٌ عَابِرَةٌ فِيْ مَزَاعِمِ مَنْ يُّنْكِرُ نُزُوْلَ عِيْسٰى قَبْلَ الْآخِرَةِ'' لکھی۔

۳-امام مہدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو روایات ہیں، ان میں سے بعض میں کچھ کلام ہے، ابن خلدون رحمہ اللہ نے ان روایات پر کلام دیکھا تو سارا کلام نقل کر دیا، اور اسلوب ایسا اختیار کیا کہ گویا وہ خود بھی خروجِ مہدی کے منکر ہیں۔ (ملاحظہ کیجیے: مقدمة ابن خلدون، الفصل الثاني والخمسون، ص: ۳۱۱، ۳۱۲)

یہاں یہی وہم ہوا کہ جرحِ روات کا غلط اور بے موقع استعمال کیا، ابن خلدون کے اس وہم کے رد میں بھی مستقل رسائل لکھے گئے ہیں: ایک کتاب ''إبراز الوهم المكنون من كلام ابن خلدون'' ہے، یہ شیخ احمد بن صدیق الغماری رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ہے، میں نے اس کا مطالعہ نہیں کیا۔ دوسرا رسالہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی

تھانوی رحمہ اللہ کا ہے، جو امداد الفتاویٰ (ج:۶،ص:۲۴۷-۲۵۵) میں چھپا ہوا ہے، نہایت قابلِ مطالعہ ہے۔

یہ سب علومِ حدیث کی تطبیق میں افراط کے نتائج ہیں کہ مسلّمات اور اجماعیات کا بھی لوگ انکار کر بیٹھتے ہیں۔

الغرض علومِ حدیث کا افراط پر مبنی استعمال تو یہ ہوا کہ جرحِ معلول، اعلالِ مجروح، علتِ غیر قادحہ، بلکہ جرحِ مختلف فیہ یا علتِ مختلف فیہا کو بہانہ بنا کر کسی ایسی حدیث کو رد کر دیا جائے جو امت میں مُتلقّی بالقبول ہے، یا محض اسنادی ضعف کی وجہ سے کسی حدیث کو متروک اور اس میں مذکور حکم کو باطل قرار دے دیا جائے، جبکہ وہ حکم مُتلقّی بالقبول ہے، اور اس کے دیگر دلائل موجود ہیں۔ نیز یہ تحکّم بھی سراسر غلو ہے کہ کسی امام کی مجتہد فیہ تصحیح وتضعیف کو متفق علیہ اور قطعی تصحیح وتضعیف کی طرح کسی دوسرے امام پر مسلط کیا جائے، اور اس سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ان کو یا ان کے متبعین کو مطعون کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے غلو اور ہر طرف سے ہمیں بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

تنبیہ: علومِ حدیث سے مراد

اس موقع پر یہ نکتہ واضح رہے کہ ''علوم الحدیث'' سے ہماری مراد لغوی معنی کے اعتبار سے علومِ حدیث نہیں، وہ تو بحرِ ناپیدا کنار ہے، اس میں تو فقہ الحدیث اور علم نقل الحدیث متناً و إسناداً وغیرہ بھی داخل ہیں۔ ظاہر ہے ان علوم کا موضوع لہ، نقد خبر الآحاد نہیں ہے، بلکہ ہماری مراد وہ علوم ہیں جن کو عرف میں ''علوم الحدیث'' کہا جاتا ہے، ''علوم الحدیث بالمعنی العام'' میں بہت سے علوم وفنون ایسے ہیں جن کو عرف میں ''مصطلح الحدیث'' اور ''أصول الحدیث'' بھی کہا جاتا ہے، ''علوم الحدیث'' سے یہاں یہی علوم وفنون مراد ہیں۔

مسلّمات واجماعیات میں علومِ حدیث کی عدمِ تطبیق سے کیا مراد ہے؟

یاد رکھیے! ہم نے جو یہ کہا ہے کہ جو امور، اہلِ علم یا جمہور اہلِ علم کے اجماع سے ثابت ہیں، یا جن کی حیثیت مسلّمات کی ہے، ان میں خبر واحد کے اصولوں کو نافذ کرنے کی کوشش کرنا غلط ہے، اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ ان مسائل کی اصطلاحی صحیح سند نہ ملنے کی وجہ سے ان کا انکار کرنا غلط ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر ان مسائل کے متعلق کوئی ضعیف روایت آئی ہو تو فنی نقطہ نظر سے اس کا ضعف بیان کرنا بھی درست نہیں ہے، محض فنی لحاظ سے اس کا ضعف بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس ضعف کو بنیاد بنا کر ان مسلّمات کو باطل قرار دینا، علومِ حدیث کے استعمال میں حد سے تجاوز اور افراط ہے، جو غلط ہے، صرف فنی لحاظ سے کسی روایت کو ضعیف کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ صرف نفس معنی صحیح ہونے کی وجہ سے منکر یا واہی روایت کو صحیح کہنا یا سمجھنا بجائے خود علومِ حدیث کا غلط استعمال ہے، جس کا بیان ہم نے مظاہرِ تفریط میں کیا ہے۔ اس کی مزید وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

ثابت شدہ حدیث کے موضوع طرق بھی ہو سکتے ہیں:

بدیہی سے بدیہی موضوع پر بھی کبھی منکر روایت آجاتی ہے، جیسے: جھوٹ بولنا قطعی طور پر ناجائز اور حرام ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا زیادہ بڑا گناہ ہے، اس بارے میں حدیث ''من كذب على متعمّدا فليتبوأ مقعدهٗ من النار'' کو اہلِ علم نے متواتر قرار دیا ہے، اور بلاشبہ یہ روایت خود ''متواترِ اسنادی'' ہے، اور اس کا مضمون اور معنی تو بہر حال ''متواتر بتواترِ طبقہ'' ہے؛ لیکن اس حدیث کے مقدارِ تواتر سے زائد کچھ طرق بھی ہیں، جن میں سے بعض طرق، ضعیف اور بعض منکر ہیں، اب اگر کوئی ان خاص طرق کی نکارت کو بیان کرے تو کیا اس کو یہ کہہ کر ملامت کیا جاسکتا ہے کہ یہ تو ''متواتر'' حدیث ہے، تم اسے ''منکر'' کیوں کہہ رہے ہو؟ ظاہر ہے کہ ملامت نہیں کیا جاسکتا؛ کیونکہ وہ اس حدیث کو یا معاذ اللہ اس کے مفہوم کو ''منکر'' نہیں کہہ رہا، بلکہ فنی ذمہ داری ادا کرنے کے لیے اس کی بہت سی سندوں میں سے ایک خاص سند کو ضعیف یا منکر کہہ رہا ہے۔ کسی مضمون کے صحیح اور متواتر طرق سے ثابت ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ اس کو کوئی کذاب یا وضاع بیان نہیں کرے گا۔ اگر کوئی صحیح روایت، منکر طریق سے آئے، یا صحیح اور متواتر حدیث کے کسی خاص طریق میں کوئی منکر اضافہ ہو تو ایسے طریق اور اضافے کو منکر کہنے میں کیا مانع ہے؟ اور اسے منکر نہ کہنے کا کیا جواز ہے؟

''فتح الباري'' میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حدیث ''من كذب علي متعمّدا۔۔۔إلخ'' کے طرق کے بارے میں مجموعی طور پر کلام کیا ہے کہ اس کے کتنے طرق، صحیح ہیں؟ کتنے حسن، کتنے ضعیفِ متماسک (یعنی جن کا ضعف شدید نہیں ہے) اور کتنے واہی اور منکر ہیں؟ نیز لکھا ہے کہ (۳۳) صحابہ سے یہ روایت، صحیح اور حسن طرق سے ثابت ہے، اور (۵۰) صحابہ سے ضعیف اسانید کے ساتھ، جبکہ (۲۰) صحابہ سے واہی اسانید سے مروی ہے۔ (فتح الباری: ۱/۲۴۵، ح: ۱۱۰)۔ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' کے شروع میں اس حدیث کے ہر طرح کے طرق ذکر کردیئے ہیں۔

حدیث ''من كذب۔۔۔إلخ'' کے شانِ ورود سے متعلق روایات کا درجہ

اس حدیث کے شانِ ورود کے بارے میں ابن جوزی رحمہ اللہ نے جو واقعات نقل کیے ہیں، وہ نہ صرف سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں، بلکہ متن کے اعتبار سے بھی منکر ہیں، اور ان کے مندرجات سے منکرین حدیث اور مستشرقین بھی اپنے مقاصد کے لیے استدلال کرسکتے ہیں؛ کیونکہ حفاظتِ حدیث کی تاریخ میں ایک بحث آتی ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے نام پر جھوٹ بولنے کا آغاز کب سے ہوا؟ اور کذب علی الرسول کی تاریخ کیا ہے؟ مستشرقین کی کوشش ہوتی ہے کہ اس تاریخ کو قدیم سے قدیم تر ثابت کیا جائے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے اس نوعیت کا جھوٹ شروع ہوگیا تھا، اور دلیل میں اسی حدیث ''من كذب علي متعمّدا۔۔۔إلخ'' کا حوالہ دیتے ہیں کہ اگر جھوٹ کا کوئی واقعہ نہیں ہوا تو یہ بات کیوں کہی گئی؟! یہ بالکل جاہلانہ اور معاندانہ بات

ہے، اس زمانے میں کون جھوٹ بولتا تھا؟ ''خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلو نهم، ثم يفشو الكذب''، الحديث۔ (صحیح البخاری: ۲۶۵۲)

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ '' (الزمر:۶۵)

''اے عام مخاطب! اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا کام غارت ہوجائے گا اور تو خسارہ میں پڑے گا۔''

''وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۔ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ''(الحاقۃ:۴۴،۴۶)

''اور اگر یہ ہمارے ذمہ کچھ باتیں لگادیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے، پھر ان کی رگ کاٹ دیتے۔''

یہ آیات کیوں نازل ہوئیں؟ کیا ایسا کوئی واقعہ ہوا تھا؟ یا ایسا ہونے کا کوئی شائبہ یا امکان بھی تھا؟!

یہ تو ان معاندین کی ایک عقلی اُپج تھی، البتہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے جو واقعہ بیان کیا ہے، وہ بالکل منکر ہے، جھوٹ کی قباحت کو بیان کرنے کے لیے جھوٹی روایت لے آئے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی ''الصارم المسلول'' میں اس واقعہ کو اس طرح نقل کیا ہے کہ گویا اس کو صحیح سمجھ رہے ہیں، جس پر حافظ ذہبیؒ نے نکیر کرتے ہوئے ''سير أعلام النبلاء'' میں لکھا ہے: ''تمّ عليه الوهم في ذلك'' (۷/ ۳۷۴) (یعنی ابن تیمیہ کو اس واقعہ کے نقل کرنے میں وہم ہوا ہے) اور ''ميزان الاعتدال'' (ج: ۲ ص: ۲۹۳) میں لکھا ہے: ''ورواه كله صاحب الصارم المسلول، وصحّحه، ولم يصحّ بوجه۔ '' (صاحبِ ''الصارم المسلول'' نے اس روایت کو مکمل نقل کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے، حالانکہ یہ روایت کسی طور صحیح نہیں ہے)۔

حافظؒ کو بھی ''التلخيص الحبير'' میں اس مقام پر کچھ خلط ہوا ہے کہ منکر حصہ پر مشتمل روایت کو ایسے شاہد کی بنیاد پر حسن کہہ دیا ہے، جس میں وہ منکر حصہ سرے سے نہیں ہے۔ بہرحال یہ روایت (یعنی عہدِ رسالت میں كذب على النبي صلى الله عليه وسلم کا شروع ہونا) بالکل منکر ہے، اور سند کے لحاظ سے بھی ثابت نہیں۔ ''لمحات من تاريخ السنة وعلوم الحديث'' للشيخ عبدالفتاح أبوغدة رحمه الله (ص: ۵۶-۶۵) میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ مستشرقین وغیرہ کا مقصد یہ ہے کہ دورِ رسالت میں جھوٹ کا وجود ثابت کریں، تاکہ یہ کہہ سکیں کہ سب سے زیادہ حدیثیں کون بیان کرتا تھا؟ اس طرح سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے حافظ الصحابہ، اور امامِ صدق و اتقان کو مطعون کرنا چاہتے ہیں۔ رضی الله تعالىٰ عن الصحابة وأرضاهم، وأبعد الطاعنين فيهم وأخزاهم۔

موضوع روایات کے متعلق وضع:

ہماری زیرِ تصنیف کتاب ''إنعام النظر'' میں ایک عنوان ہے: ''الوضع في الموضوعات'' یعنی ''موضوعات

کے بارے میں وضع، اور کذابین کے بارے میں جھوٹ۔'' اس کی بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً: یوں کہہ دیا کہ فلاں نے اتنے لاکھ احادیث وضع کیں! سوال یہ ہے کہ کیا اس میں اتنی صلاحیت اور عقل تھی کہ اتنی روایات وضع کرسکتا؟

مختلف کذّابین کے بارے میں جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں، ان میں موضوعات اور من گھڑت باتیں بھی ہیں، جیسے: ''رتن ہندی'' کے بارے میں بہت سی احادیث وضع کی گئی ہیں، جو خود اس نے بیان نہیں کیں۔ ایک کتاب ہے: ''الرتنیات''، یعنی وہ روایات جو رتن ہندی نے روایت کی ہیں، اب وہ تو ہندی شخص تھا، اس میں اتنا سلیقہ کہاں تھا کہ عربی میں اتنی روایتیں گھڑ لیتا؟ امام ذہبیؒ نے ''میزان الاعتدال'' میں لکھا ہے: ''ومع کونہ دجالا کذّابا فقد کذبوا علیہ جملة کبیرة من أسمج الکذب والمحال'' (۲/۴۵) (رتن ہندی کے خود کذاب و دجال ہونے کے باوجود بعض لوگوں نے اس پر ایسی روایات گڑھ لی ہیں، جو انتہا درجہ جھوٹی اور محال ہیں)۔ اسے کہتے ہیں: ''الوضع في الموضوعات''، (یعنی موضوعات کے متعلق من گھڑت روایتیں!)، یہ بھی جائز نہیں؛ کیونکہ کذّاب پر بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کذّاب کے واسطے سے ہی حدیث وضع کرے تو یہ دروغ اور غرر کا مجموعہ ہوگا۔

فنِ روایت سے ناآشنائی کا نقصان:

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اور مولانا عبدالصمد صارمؒ نے ''رتن ہندی'' کو صحابی لکھ دیا ہے۔ صارم صاحب کا مطالعہ فی الجملہ اچھا تھا، اس لیے بہت سی کتابیں بھی لکھیں؛ لیکن علمِ روایت سے انہیں خاص مناسبت حاصل نہیں تھی، اور اتقان بھی کم تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ بڑے آدمی تھے، عقل اونچی تھی، فکر بلند تھی، سلیقہ تھا، مطالعہ فی الجملہ وسیع تھا، انہیں بہت سے کمالات حاصل تھے، اس لیے ان کے قلم سے بہت اچھی اچھی کتابیں سامنے آئیں: ''ہندوستان میں نظامِ تعلیم وتربیت''، ''تدوین حدیث'' اور ''تدوین قرآن''، بعض پہلوؤں سے اچھی کتابیں ہیں۔ ''النبي الخاتم'' مختصر ہونے کے باوجود ایک شاہ کار ہے، لیکن انہیں علمِ روایت سے خاص مناسبت حاصل نہیں تھی، جہاں خالص نقل چاہیے، وہاں عقل بہرحال کام نہیں آسکتی۔ ''علم النقد والنقل'' کو سمجھنے کے لیے روایت کی اصطلاحات وزبان سے واقفیت ضروری ہے۔ اگر یہاں بھی عقل استعمال کرنے کی کوشش کی گئی تو وہی حالت ہوگی جو بہت پہلے علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ (شارحِ بخاری) کی ہوئی، چنانچہ ''باب بدء الوحي'' کے آخر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول ''رواہ صالح بن کیسان ویونس ومعمر عن الزهري'' کی شرح میں علامہ کرمانی نے مختلف احتمالات بیان کیے اور لکھا ہے: ''وإن کان الظاهر اتحاد الإسناد'' (۱/۶۸) حافظؒ کو کہنا پڑا:

''هٰذا الظاهر کاف لمن شمّ أدنی رائحة من علم الإسناد، والاحتمالات العقلیة المجرّدة لامدخل لها في هذا الفن''۔

''علمِ اسناد'' سے ادنیٰ مناسبت کے حامل کے لیے یہ ظاہر کافی ہے، درحقیقت محض عقلی احتمالات کا اس فن میں کوئی کردار نہیں۔''

اسی طرح علامہ طیبیؒ بہت بڑے آدمی ہیں، لیکن منقولات میں ان سے بھی تسامح ہوتا رہتا ہے، یہ صرف حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کی بات نہیں، بہت سے لوگوں سے ایسی لغزشیں ہوئی ہیں۔

بہرحال اصولی طور پر روایت کے فن میں احتمالاتِ عقلیہ مجردہ کو دخل نہیں دینا چاہیے، جہاں خالص نقل کی ضرورت ہو، وہاں نقل کے اسرار و رموز سے آشنائی ضروری ہے، صرف عقل کی دوڑ کام نہیں آئے گی۔ اس میں شک نہیں کہ نقل کے لیے بھی عقل چاہیے اور عقل کے بغیر نقل کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ کہا جاتا ہے: ''یک من علم را دہ من عقل باید'' (ایک من علم کے لیے دس من عقل درکار ہوتی ہے)، اسی لیے ہم فنی اعتبار سے تفقہ پر زور دیتے ہیں، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ خاص نقل کے مقام پر محض عقل استعمال کرنا بجائے خود غلط ہے، روزمرہ کی مثال دیکھ لیں، مثلاً: کوئی شخص پوچھے: کمرے میں فلاں شخص موجود ہے یا نہیں؟ اب صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ کمرے میں دیکھا جائے اور اس کے بعد بات کی جائے۔ اگر کوئی شخص وہیں بیٹھے بیٹھے محض احتمالات بیان کرنا شروع کردے کہ اس وقت چوں کہ فلاں شخص یہاں کام کرتا ہے، اس لیے اس کا ہونا ممکن ہے۔ ظاہری بات ہے کہ ان عقلی احتمالات سے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔

بہرکیف ''رتن ہندی'' کا معاملہ خالص نقل سے تعلق رکھتا ہے؛ لیکن مولانا گیلانیؒ نے اسے عقلی طور پر حل کرنے کی کوشش کی ہے، کسی ماہنامہ میں ان کا یہ مضمون چھپا، اس کے بعد علیحدہ رسالے کی صورت میں ''ایک ہندوستانی صحابی'' کے نام سے شائع ہوا ہے! ''الإصابة'' وغیرہ میں ''رتن ہندی'' کی صحابیت کے خلاف واضح دلائل موجود ہیں، لیکن مولانا کو تنبُّہ نہیں ہوا، اس کا سبب صرف فنی اصطلاحات اور تعبیرات کے ساتھ قلتِ انس ہے اور کچھ نہیں، بس اسی وجہ سے ''رتن'' کا صحابی نہ ہونا جو ایک متفق علیہ مسئلہ تھا، وہ ان کی نظر میں مختلف فیہ ہوگیا!

آمدم برسرِ مطلب!

خیر یہ حدیث ''من كذب علي متعمّدا۔۔۔إلخ'' متواتر ہے؛ لیکن اس کے منکر طرق کے بارے میں اگر کوئی کہے کہ جھوٹ بولنا تو بدیہی طور پر حرام ہے، اور اس روایت میں بھی یہی آیا ہے، نیز مسلّمات اور ضروریات میں سند دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی، لہٰذا یہ روایت، صحیح ہے! بتایئے کیا ایسا کہنا درست ہوگا؟ ظاہر ہے کہ یہ کہنا غلط ہے اور علومِ حدیث کی غلط تطبیق ہے۔ یہ روایت بجائے خود فنی اعتبار سے منکر ہے، لہٰذا اسے منکر ہی کہا جائے گا، اور قدرِ مشترک سے زائد جتنی باتیں صرف ان منکر طرق میں موجود ہیں، وہ منکر اور متروک ہی ہوں گی۔

مظاہرِ افراط میں سے صرف دو مظاہر مزید ذکر کرتے ہیں، ویسے بھی اس موقع پر کسی بھی موضوع میں استقصاء مقصد نہیں ہے، بلکہ بعض ضروری باتیں ذکر کرنا مقصود ہے۔

۲-مقلّد ہونے کے باوجود علومِ حدیث کی محقّقانہ تطبیق

علومِ حدیث کی میراث سے استفادے کے تین طریقے ہیں:

۱-محقّقانہ ۲-مقلّدانہ ۳-جاہلانہ۔

بعض عقل پرست لوگ، جنہیں ''علوم الإسناد'' کی شُدبُد ہی نہیں، علومِ حدیث کے قواعد سے استفادے کی جرأت کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کا استفادہ ''جاہلانہ'' ہی ہوگا اور تحریف اور افساد کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا! ایسے لوگوں کے لیے جائز ہی نہیں کہ علومِ حدیث سے براہ راست استفادہ کریں، بلکہ انہیں تو اہلِ علم کی تقلید کرنی چاہیے۔ اسی طرح جو ''مقلّدانہ'' استعمال جانتا ہو، اس کے لیے اپنی حدود سے بڑھ کر ''محقّقانہ'' استعمال غلط ہوگا۔

مقلّدانہ طور پر علومِ حدیث سے استفادے کا سلیقہ سیکھنے کے لیے بھی بہت محنت کی ضرورت ہے، ہمارے ہاں طلبہ دو تین سال ''تدریب في علوم الحدیث'' میں لگاتے ہیں، ان تین سالوں میں بہت سے طلبہ کو علومِ حدیث سے مقلّدانہ استفادے کا صحیح سلیقہ بھی نہیں آتا؛ کیونکہ ذی استعداد، باصلاحیت اور نبیہ طالب علم کو بھی مقلّدانہ استفادے کا ملکہ حاصل کرنے کے لیے کم از کم چار پانچ سالوں کی ضرورت ہے۔ اب اگر کسی نے مقلّدانہ استفادے کا طریقہ بھی نہ سیکھا ہو اور فن میں دخل اندازی اس طور پر کرنے لگے کہ گویا وہ محقّقِ فن ہے، تو نتیجے میں خسارہ ہی خسارہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے مقلّدانہ استعمال تو سیکھ لیا، لیکن ان علوم کا استعمال محقّقانہ کر رہا ہو، تو یہ بھی علومِ حدیث کا غلط اور افراط پر مبنی استعمال ہے، جو ناجائز ہے۔

کسی کے ذہن میں یہ سوال آسکتا ہے کہ یہ طرزِ عمل کیوں ناجائز ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ علومِ حدیث کے بہت سے قواعد، حساب کے قواعد کی طرح بالکل دوٹوک نہیں ہیں کہ دو اور دو چار کی طرح ہوں، کیا دو اور دو چار کی طرح حدیثِ حسن، شاذ اور منکر کی کوئی تعریف ہے؟ کس راوی کو ''منکر الحدیث'' کہنا ہے؟ کیا اس کا کوئی متعین اور واضح معیار ہے کہ ہر ایک اس کو سمجھ لے؟ نیز بہت سے امور کا معیار تو موجود ہے، لیکن اتنا دوٹوک اور واضح نہیں ہے کہ غیر اہلِ فن بھی اس کی تمیز کر سکیں، ناسمجھ آدمی، اہلِ فن سے لڑتا رہے گا کہ کہیں کچھ کہہ دیتے ہیں اور کہیں کچھ۔ جبکہ اہلِ فن سے لڑنا بے ذوقی کی دلیل ہے۔

اہلِ فن کا مرتبہ و مقام:

اہلِ فن، ''اشباہ و نظائر'' اور ''فروق'' سے آگاہ ہوتے ہیں، اور بہت سے امور بظاہر ایک جیسے نظر آتے ہیں؛ لیکن حقیقت میں ان میں دقیق فرق ہوتا ہے، جسے اہلِ فن سمجھتے ہیں۔

اہلِ فن ایک ہی ثقہ راوی کی ''زیادت'' کہیں قبول کر لیتے ہیں اور کہیں اسی کی ''زیادت'' کو شاذ کہہ دیتے ہیں۔

یہ معمّہ اہلِ فن آپس میں حل کر سکتے ہیں، غیر اہلِ فن اسے حل نہیں کر سکتے؛ کیونکہ اہلِ فن کو ''فروق'' معلوم ہوتے ہیں اور غیر اہلِ فن کی نظر ان امور سے قاصر ہوتی ہے، اس بنا پر غیر اہلِ فن کے لیے اہلِ فن کی تقلید کے علاوہ سلامتی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اور ہر فن میں وہی ماہر ہوتا ہے جو اس فن کے مشتبہات میں وجوہِ فرق کا ادراک کر سکے، غیر اہلِ فن کہاں ان دقائق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے؟! مثلاً: ایک ہی معیار کے دو ثقہ راویوں میں سے ایک کی زیادت، حسن قرار پاتی ہے اور دوسرے کی ضعیف۔ غیر اہلِ فن کو یہ فرق سمجھانا محال ہے، اہلِ فن ہی ایک دوسرے کو سمجھا سکتے ہیں۔ اگر فن سے ناواقف لوگ، فن کا محقّقانہ استعمال و تطبیق کریں گے تو منکر کو معروف اور معروف کو منکر بنائیں گے، شاذ کو محفوظ اور محفوظ کو شاذ بنائیں گے۔ یہ اس غلط استعمال کا کم تر خسارہ ہے، اس لیے جس میں صرف مقلّدانہ استعمال کی صلاحیت ہو تو اسے محققانہ استعمال کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، ایسی کوشش حد سے تجاوز اور علومِ حدیث کا غلط استعمال ہوگا۔

علومِ حدیث کی تطبیق کے لیے ادب اور فنی بصیرت کے حصول میں کوتاہی:

علومِ حدیث کے استعمال و تطبیق کے لیے ادب اور ذوق ہونا بھی از حد ضروری ہے، جس شخص میں ادب، ذوق اور فنی بصیرت نہ ہو، اسے علومِ حدیث کے استعمال کا حق نہیں پہنچتا۔ ادب اور ذوق نہ ہونے کے جو بھیانک نتائج ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایسا شخص، عوام (جن کا فہم، علل اور جرح و تعدیل کے حقائق اور دقائق کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے، ان) کے سامنے بھی فنی امور بیان کرنے لگتا ہے، یہ بے ذوقی کی علامت ہے۔ امام ابوداودؒ نے اہلِ مکہ کے نام اپنے خط میں لکھا تھا:

''وربّما كان في الحديث ما تثبت صحة الحديث منه، إذا كان يخفى ذلك علي، فربما تركت الحديث إذا لم أفقهه، وربما كتبتُه و بيّنتُه، وربما لم أقف عليه، وربما أتوقف عن مثل هذا؛ لأنه ضرر على العامّة أن يكشف لهم كل ما كان من هذا الباب، فيما مضى من عيوب الحديث؛ لأن علم العامة يقصر عن مثل هذا۔''

یعنی ''ممکن ہے کہ کسی حدیث میں ثبوتِ صحت کی علامات موجود ہوں، لیکن مجھ سے مخفی رہ گئی ہوں، تو ایسے موقع پر کبھی میں کسی حدیث کو تو سمجھ نہ پاؤں تو اسے ترک کر دیتا ہوں، کبھی اسے کتاب میں لکھ کر اس کا اسنادی حال (علت، وغیرہ) بھی بیان کر دیتا ہوں، کبھی میں خود اس کے حال سے واقف نہیں ہوتا، اور کبھی حدیث کے متعلق علل کو کتاب میں درج کرنے سے توقف اختیار کر لیتا ہوں؛ کیوں کہ عوام کے سامنے کسی حدیث کی علتوں سے متعلق تمام فنی امور کو ظاہر کرنا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے؛ اس

لیے کہ ان کا علم ان امور کے ادراک سے قاصر ہوتا ہے۔''

باوجود یکہ یہ کتاب، علماء کے لیے لکھی گئی تھی؛ لیکن پھر بھی امام ابوداودؒ لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں احادیث کی بہت سی علل اس لیے بیان نہیں کیں کہ وہ عام لوگوں کے فہم سے بالاتر ہیں۔

بد ذوقی و بے ادبی کی ایک مثال:

جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہوگا، وہ تو جان بوجھ کر ایسا کام کریں گے؛ تاکہ لوگوں کے دلوں سے علومِ حدیث سے متعلق اعتماد اٹھ جائے۔ ایک شیعہ کی کتاب ہے: ''استقصاء الإفحام واستيفاء الانتقام''، یہ کتاب میں نے حضرت الاستاذ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی حفظہ اللہ کے پاس دیکھی تھی، اس کا مصنف مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے زمانے کا ہے، اور ''الرفع والتكميل في الجرح والتعديل'' (ص: ۱۷۳) میں اس کا ذکر آیا ہے۔ اس شخص نے جرح وتعدیل کا اتنا غلط استعمال کیا ہے کہ اللہ کی پناہ! اس کے بقول: ''امام بخاریؒ کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں، نعوذ باللہ؛ کیوں کہ امام بخاری کے بارے میں فلاں فلاں جرحیں ہیں!'' حالاں کہ یہ جرحیں خود مجروح اور باطل ہیں۔ طُرفہ یہ ہے کہ اس شخص نے جن لوگوں کے اقوال کی بنیاد پر امام بخاریؒ پر جرح کی ہے، بعد میں جب اسے انہی لوگوں پر جرح کی ضرورت پڑی تو ان پر بھی جرحوں کا انبار لگا دیا اور استدلال میں خود امام بخاریؒ کی جرح کو بھی نقل کر دیا، یہ بے شرمی کی انتہا ہے!!

نا اہل لوگوں اور عوام کے سامنے دقائقِ فن کے بیان سے پرہیز کرنا چاہیے:

یہ انتہا درجہ کی بے ذوقی اور بے ادبی ہے کہ عوام کے سامنے ''جرحِ مجروح'' اور ''اعلالِ معلول'' کی بحثیں رکھ دیں۔

اعلالِ معلول: یعنی وہ اعلال جو معلول ہے، یعنی کسی محدث نے کہا کہ یہ معلول ہے، حالانکہ وہ معلول نہیں ہے، بلکہ اسے معلول کہنا معلول ہے، تو یہ اعلالِ معلول ہوا۔

جرحِ معلول: یعنی کسی نے جرح کی، حالانکہ وہ جرح خود غلط ہے، شرعی جرح نہیں ہے، تو یہ جرح خود مجروح ہوئی۔

بے ذوقی اور بے ادبی یہ ہے کہ عوام کے سامنے ''جرحِ مجروح'' اور ''اعلالِ معلول'' جیسی بحثیں رکھ دی جائیں، ایسے افراد کے لیے علومِ حدیث میں دخل دینا ناجائز ہے، بلکہ عوام کے سامنے ''جرحِ مجروح'' اور ''اعلالِ معلول'' کی بحثیں رکھنا تو ناجائز ہے ہی، ان کے سامنے تو وہ صحیح امور بھی پیش نہ کرنے چاہئیں جو دقیق ہیں، جیسے ماقبل میں امام ابوداودؒ کی عبارت میں گزرا ہے۔ بعض لوگ اس سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں، اور دقیق باتیں تو الگ رہیں، وہ تو عوام کے سامنے خرافات پیش کرتے ہیں۔ ذیل میں اس حوالے سے چند واقعات ملاحظہ کیجیے:

۱- ایک عامی کا واقعہ

ایک مجلس میں علماء، ضعیف روایت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے، اور وہاں ایک عامی بھی موجود تھے، جو شاید ان علماء سے بے تکلف تھے، اس لیے انہوں نے ضعیف حدیث کے بارے میں اپنا خیال پیش کرتے ہوئے کہا: ''میرے خیال میں جہاں تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بات ہے تو ان کا ایمان بہت مضبوط تھا، ان کے لیے ضعیف حدیث نہیں چل سکتی تھی، ہم جیسے کمزور ایمان والوں کے لیے تو ضعیف حدیث بھی چل جائے گی!!''۔ یہ واقعہ مولانا لطیف الرحمن بہرائچی نے ''تحقیق المقال'' (ص: ۴۲) میں نقل کیا ہے۔ اب بتائیے! ایسے عوام، علمِ علل کے دقائق کو کیا سمجھیں گے؟!

۲- حدیثِ احسن

میں جب ''ریاض'' سے تازہ تازہ ''بنگلہ دیش'' واپس آیا تو کافی عرصہ بعد اپنے گاؤں ''کملاء'' میں رہنے کا موقع ملا، ایک دفعہ مسجد میں ایک صاحب بیان کر رہے تھے اور موضوع روایات بیان کر رہے تھے، ان کے فارغ ہونے کے بعد مجھے خیال ہوا کہ تنبیہ کر دینی چاہیے کہ یہ روایات درست نہیں ہیں، لیکن ہمارے ان بھائی کو اچھا نہ لگا، وہ مجھ سے کہنے لگے کہ: ''آپ مجھے کیا سمجھا رہے ہیں؟ مجھے معلوم ہے کہ حدیث کی قسمیں ہوتی ہیں: حسن، اور احسن!''

۳- ایک نواب صاحب کا واقعہ

ایک نواب صاحب، ایک مجلس میں حافظ ابن کثیرؒ کے حوالے سے ایک طویل موضوع روایت بیان کر رہے تھے، شاید کتاب کے ترجمے کا مطالعہ کیا ہوگا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ منکر اور موضوع روایت ہے، اور ابن کثیرؒ اس پر تبصرہ کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ: ابن کثیرؒ نے یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد کچھ لکھا نہیں ہے؟ کہنے لگے: ''موضوع لکھا ہے تو کیا ہوا؟! حدیث ہی تو ہے!'' ایسے لوگوں کو آپ علومِ حدیث کے اصول کیسے سمجھائیں گے؟!

۴- حافظ زین الدین عراقیؒ کا ایک واقعہ:

حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ کے پاس ایک استفتاء آیا کہ یہ حدیث کیسی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ موضوع ہے۔ تو ایک صاحب نے کہا کہ: ''یہ تم کس سے فتوی لے آئے ہو؟ کون کہتا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے، میرے پاس حدیث کی کتاب ہے، اس میں یہ حدیث لکھی ہوئی ہے'' اور پھر ابن جوزیؒ کی ''کتاب الموضوعات'' سے روایت نکال کر دکھادی۔ (فتح المغیث: ۱/۲۹۴)

۵

- شیخ کوثریؒ کا واقعہ

شیخ محمد زاہد کوثری رحمہ اللہ نے دمشق کی ایک مسجد میں خطیب صاحب کا بیان سنا، وہ ایک موضوع روایت بیان کرنے کے بعد بھرپور اعتماد کے ساتھ حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے کہہ رہے تھے: ''رواه ابن الجوزي في الموضوعات!! '' یعنی یہ روایت میں اپنی طرف سے بیان نہیں کر رہا، بلکہ کتابوں میں یہ روایت موجود ہے، ابن جوزی کی ''كتاب الموضوعات'' میں ہے۔ (مقالات الکوثری، ص: ۲۴، البتہ اس کتاب میں شہر کا نام مبہم رکھا گیا، شہر کی تعیین مجھے شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ سے حاصل ہوئی) ایسے عوام اور جہلاء کو آپ جرح وعلل کیسے سمجھائیں گے؟!

الغرض علومِ حدیث کا صحیح اور معتدل استعمال سیکھنے کی ضرورت ہے اور یہ استعمال بغیر تفقّہ کے ناممکن ہے۔ علومِ حدیث کا معتدل استعمال وتطبیق وہی کرسکتا ہے جس نے اس فن میں تفقّہ حاصل کیا ہو اور فقهاء في الفن کی صحبت اُٹھائی ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے، آمین!.

آمدنی کے حلال اور حرام ہونے کی بنیاد

حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

رزق (آمدنی) اپنی حلت وحرمت میں ان اسباب کا تابع ہوتا ہے جن کے وسیلے سے وہ رزق حاصل ہو، اگر وہ اسباب حرام ہوں تو وہ رزق بھی حرام رہے گا اور اگر اسباب حلال ومباح ہوں تو وہ رزق بھی حلال ومباح سمجھا جائے گا، مثلاً: اگر رزق تجارت، کھیتی، کھانے پکانے، سینے پرونے کی مزدوری سے میسر آئے یا اس مال کے عوض مول لیا جائے جو اسباب مذکورہ سے ہاتھ آئے تو اس رزق کو حلال ہی کہیں گے اور اگر سود، زنا، چوری، غصب سے - مثلاً - ہاتھ لگے تو اس کو حرام ہی کہیں گے، جب تک کہ صاحب مال بطیبِ خاطر اجازت نہ دے اور مباح نہ کرے، حلال ومباح نہیں کہہ سکتے۔ اور وجہ اس کی یہی ہے کہ ''جو شے جس راہ سے آتی ہے اس کی کیفیت اس کے ساتھ لاحق ہوجاتی ہے'' دیکھئے! نور اگر آئینۂ سبز، زرد، سرخ، سیاہ وغیرہ میں ہوکر آتا ہے تو ان آئینوں کی سبزی، زردی، سرخی، سیاہی وغیرہ اس کے نور کے ساتھ آئی ہیں، آدمی کے نطفے سے آدمی ہی کی شکل کا بچہ ہوتا ہے، تو اسی وجہ سے کہ وہ نطفہ اسی بدن سے آیا ہے اور گیہوں، چنے وغیرہ کے بیج پر اور انبہ، جامن وغیرہ کے تخم پر اگر ویسا ہی اناج اگتا ہے یا ویسا ہی پھل لگتا ہے تو اس کا سبب بھی یہی ہے کہ ''اجزائے زمین اس بیج یا تخم کی راہ سے نکل کر باہر آتے ہیں''۔ الغرض! جو شے کسی شے پر موقوف ہو یعنی بے اس کے اس شے کے وجود کی کوئی صورت ہی نہ ہو، تو اس شے کا اثر اس دوسری شے میں ضرور ہوگا۔

(فیوض قاسمیہ ص 34 و 35) (ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ، جمادی الاولی 1393ھ، صفحہ: 14)

(تسہیل: مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری قدس سرہ)

علمِ حدیث کے طلبہ کو چند قیمتی نصیحتیں

بقلم: شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالی

ترجمہ: مولانا محمد یاسر عبداللہ

(جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی)

برادرِ مکرم مُحب طارق عبدالرحیم ابو یوسف اور برادرانِ مکرمین، سلَّمہم المولی ورَعاہم، وعلَّمہم ونفع بہم وتولاَّ ہم!

ازعبدالفتاح بن محمد ابوغدہ؛ دعاؤں کا امیدوار؛ السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ!

بعد از سلام، آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا، اس خبر سے مسرّت ہوئی کہ آپ حضرات نے ''المنظومۃ البیقونیۃ'' ہمارے شیخ، علامہ، محدّث وفقیہ حسن مَشّاط مالکی مکّی رحمہ اللہ تعالی کی شرح سمیت پڑھ لی ہے، اللہ انہیں اجر وثواب مرحمت فرمائے۔ بعدازاں آپ لوگ ''مقدمۃ الامام ابن الصلاح'' پڑھنا شروع کر چکے ہیں، یہ ایک مبارک کتاب ہے، علمِ مصطلح اور علماء وصلحاء کے ساتھ ادب واحترام کی تعلیم دیتی ہے، اور بعد کی تالیفات کے باوجود ہمیشہ سے علمِ مصطلح کی بہترین کتاب شمار ہوتی ہے۔ اس مقدمہ کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے مؤلف امام، محدّث وفقیہ، جملہ علوم کے ماہرِ فن، مربّی، محقّق ومدقّق، اور فصیح وبلیغ ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

آپ نے ذکر کیا ہے کہ آپ حضرات مقدمہ کے بعد کسی ایک یا چند کتابوں کو پڑھنے کے تعلق سے مجھ سے مشاورت چاہتے ہیں، میری خیرخواہانہ رائے ہے کہ آپ ایک بار دوبارہ ''مقدمۃ ابن الصلاح'' پڑھیے؛ کیونکہ اسے دوسری بار پڑھتے ہوئے آپ کو ایسی نئی چیزیں دریافت ہوں گی جن سے پہلی بار آپ کا گزر نہ ہوا ہوگا، کسی علم پر دسترس حاصل کرنا، اس میں توسّع سے زیادہ بہتر ہے؛ کیونکہ علم پر دسترس، صحیح معنوں میں اس کے ضبط وتحقیق اور پہلی بار پڑھے ہوئے کی درستی میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ جب آپ اس رائے پر عمل کریں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ نکتہ آپ کے سامنے واضح ہوجائے گا۔ آپ جن اہلِ علم کو علمِ مصطلح میں ماہر دیکھ رہے ہیں، مثلاً حافظ ابن الصلاح، حافظ عراقی، ابن حجر، سیوطی، سخاوی اور ان جیسے علماء، وہ اس فن کی امہاتِ علم کتابوں میں سے ہر ایک سے بارہا مرور کر چکے ہیں، ہر شیخ کے سامنے اسے دوبارہ پڑھتے رہے، یوں اپنے سمجھے ہوئے کی درستی میں انہیں تقویت حاصل ہوئی، جن امور کو انہوں نے غلط سمجھا تھا ان کی تصحیح ہوئی، وہ مذاکرہ کرتے، اور پہلے جن امور سے غفلت برتی تھی انہیں توجہ سے پڑھتے۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ آپ مقدمہ کو دوبارہ پڑھیے، اور یہ خیال نہ کیجیے کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے لیے محض ایک بار کسی کتاب یا علم کو پڑھ لینا کافی ہے، اور ایک بار میں ہی وہ علم ان میں صحت ودرستی کے ساتھ ڈھل جاتا ہے۔ اب ایسی ہستیوں سے روئے زمین خالی ہوچکی ہے، کبھی کبھار کوئی نادر شخصیت ایسی ہوسکتی

ہے۔کم ازکم تین بار ''مقدمۃ ابن الصلاح'' کا مرور کیجیے،ممکن ہوتو دوسری بار اس کے ساتھ مقدمہ کے حاشیہ عراقی ''التقیید والایضاح'' کا مطالعہ کیجیے،اور تیسری بار حافظ ابن حجر کی ''النکت علی کتاب ابن الصلاح'' پڑھیے۔ جب آپ حصولِ علم پر صبر کرنا ہی چاہتے ہیں تو اللہ سے مدد مانگیے اور سستی نہ کیجیے۔

مزید براں میری رائے ہے کہ آپ حضرات ابن عبدالبر کی ''جامع بیان العلم وفضلہٖ'' کا اجتماعی مطالعہ کیجیے؛ کیونکہ یہ کتاب آسان اسلوب میں علم وادب اور تادیب پر مشتمل ہے،اور عمدہ طباعت کے ساتھ شائع کیے جانے کے لائق ہے،تاکہ ان کی حلاوت ومٹھاس اور نافعیّت میں اضافہ ہو۔ نیز علمِ مصطلح میں مہارت کے لیے آپ لوگوں کو حافظ سمعانی کی کتاب ''اَدب الاملاء والاستملاء'' کا اجتماعی مطالعہ کرنا بھی مناسب ہوگا؛ یہ عمدہ، رقیق ولطیف، اور مُنیف کتاب ہے، اگرچہ کتاب کا نام اس کے مضمون پر دلالت نہیں کرتا ہے۔اس موضوع میں علمِ مصطلح میں مہارت اور توسّع کی غرض سے حافظ خطیب بغدادی کی کتاب ''الجامع لاخلاق الراوي وآداب السامع'' (طبع شیخ محمود طحان) بھی پڑھیے، یہ کتاب حلاوت وطراوت، اور نفیس اخلاق وآداب پر مشتمل ہے۔اسی طرح ابن جماعہ کی کتاب ''تذکرۃ السامع والمتکلم بآداب العالم والمتعلّم'' بھی مفید ہے۔اختتام میں آپ لوگوں سے امید ہے کہ علمی خدمات کے لیے سماعت وبصارت اور جسم وعزم کی قوت کے لیے دعا فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو نافع بنائے، اور حفاظت فرمائے۔ والسلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ، ریاض 12/7/1412ھ۔آپ کا بھائی عبدالفتاح ابوغدہ۔''

سابقہ موضوع کا تتمہ: میری کوتاہ نگاہ میں مفید کتب میں سے ایک ہمارے شیخ ظفر احمد تھانوی کی کتاب ''قواعد في علوم الحدیث'' کا مطالعہ بھی ہے؛ کیونکہ یہ کتاب گوناگوں اور منتخب اصطلاحی ثقافت کی حامل ہے، اور اس کے مؤلف ماہرِ فنون ہیں، اس لیے اس کا مطالعہ کرتے ہوئے مباحث کی عمدہ پیش کش، واضح اسلوب اور ضبط کی بناء پر قاری کو نشاط حاصل ہوتا ہے۔اس سے فراغت پاکر امام عبدالحی لکھنوی کی کتاب ''الرفع والتکمیل في الجرح والتعدیل'' کا انتخاب کیا جا سکتا ہے، بلکہ اس سے قبل امام لکھنوی کی ہی دوسری کتاب ''اَلْاَجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الکاملة'' کا مطالعہ زیادہ بہتر ہوگا؛ کیونکہ اس میں مباحث کا تنوّع ہے، قلب ودماغ ایک رنگ سے دوسرے رنگ کی جانب منتقل ہوتے ہیں، جو نشاط اور قوت کا باعث ہوتا ہے۔میں آپ لوگوں کو تاکید کے ساتھ نصیحت کرتا ہوں کہ مجلس میں حاضری سے قبل اس میں پڑھی جانے والی بحث کا مطالعہ کیجیے؛ یہ عمل مضبوط فہم، دیرپا ضبط، جلدی وتیز رفتار مطالعہ اور نشاط کا سبب ہوگا۔ نیز مشتبہ الفاظ کے ضبط اور ان کے معانی کے دقیق فہم کے لیے کچھ کتبِ لغت کو قریب رکھیے، مثلاً: القاموس المحیط، المصباح المنیر، مختار الصحاح، المعجم الوسیط؛ کیونکہ عمومی طور پر ہر طالب علم اور خصوصًا حدیث شریف کے طالب علم کے لیے لغت کا علم نہایت اہم ہے، اس کا اہتمام کیجیے، اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق بخشے۔

اساتذہ کرام کے املائی نوٹس محفوظ کرنے کی ضرورت

مولانا مفتی عبداللہ فردوس

اساتذہ کرام کے املائی نوٹ تیار کرنا، بہ ظاہر ایک چھوٹا سا جملہ ہے، لیکن سوچیے! اسی ایک جملے میں استاذ کے علوم کی پوری داستان سمٹی ہوئی ہے۔ استاذ کی فطرت میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ میری نیک نامی ہو اور میرے شاگرد کو کامیابی ملے۔ دورحاضر میں مدارس جن اہم مسائل کی طرف توجہ دینا چاہتے ہیں۔ اس میں سرفہرست اساتذہ کرام کے املائی نوٹ تیار کرنا سب سے اوپر رکھنا چاہیے۔ یہ املائی (تقریری) نوٹس تدریس کے دوران ہوں یا عام اَوقات میں۔ اساتذہ کرام کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا یا عصر کے وقت ان کے قدموں میں بیٹھنا، ایک علمی روحانی مجلس کا ماحول بنانا... یہ سب ہم ہی نے کرنا ہے۔ علماء کی صحبت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یوں اُبھارتے ہیں:

یا بُنَیَّ! رأس الدین صحبۃُ المتقین

''بیٹے! دین کا جوہر اہل تقویٰ کی صحبت ہے۔''

ہمارے طلبہ نماز عصر کے بعد بازار کا رُخ کرتے ہیں۔ راستے میں ایران توران کی باتیں ہوتی ہیں اور اسی میں عصر کیا وقت نذر ہوجاتا ہے۔ صبح سے لے کر عصر تک جو کمایا وہ عصر سے مغرب تک بازار کی نذر ہوجاتا ہے۔

نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

سیدنا امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عقل کو چار چیزوں سے معمور کرو:

(1) فضول اور بے کار باتوں سے اجتناب (2) مسواک کا اہتمام (3) نیک لوگوں کی صحبت

(4) علماء کرام کی ہم نشینی۔

لہٰذا عصر کے بعد اپنے اکابر کی صحبت میں بیٹھ کر کچھ ملے گا۔ ''مجالس علی میاں'' (مجالس حسنۃ) حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ اسے مولانا فیصل احمد ندوی بھٹکلی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو؛ نے اپنے استاذ کے قدموں میں بیٹھ کر لکھا ہے، یہ مجموعہ پڑھنے کے قابل ہے۔

استاذ کے ایک ایک لفظ کے کئی معانی ہوسکتے ہیں معانی کی تعداد سے کہیں زیادہ مفاہیم اس سے وابستہ ہوسکتے ہیں۔ اگرچہ یہ املائی نوٹ مدرسہ کی طرف سے اختیاری ہو تو افادیت کو مدنظر رکھ کر آہستہ آہستہ لازمی صورت خود بہ خود اختیار کرے گی۔ زمانے کی گردش نے ہمیں کہاں رکھا! بچے بڑے ہوکر اپنے مرکزیت یعنی اپنے قاعدہ بغدادی

کے استاذ کو بھول جاتے ہیں، اگر چہ وہ زمین سے زیادہ آسمانوں میں نام کے بجائے القاب (حافظ، قاری اور استاذ) سے مشہور ہے۔ مرنے کے بعد اپنے اساتذہ کرام کی قبروں پر حاضری دینا، مگر بنیاد رکھنے والوں (اساتذہ کرام) کے نام تک یاد نہیں ہوتے۔

طلبہ کے ذہن میں استاذ کے بارے بدگمانی اس دن سے پیدا ہوجاتی ہے، جب استاذ کتاب کی کوئی شرح خریدتا ہے یا اس کے ڈیسک پر نظر آتی ہے۔ شاید کوئی شرح یا نوٹ ہو جس کے بارے میں استاذ کی جستجو نہ ہو یا استاذ کی ذہن نے تغافل کیا ہو بلکہ ان کی جستجو ہمیشہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔

بس! طالب علم سمجھتا ہے کہ استاذ کی علم کی انتہا اور وسعتِ نظری کی حد بس ایک اردو یا عربی شرح ہے۔ نہیں نہیں بلکہ استاذ ایک ایک مغلق اور مشکل عبارت کی حل کرنے میں رات کا اکثر حصہ گزارتا ہے اور جب استاذ اس کے حل میں کامیاب ہوجاتا ہے، تو علامہ زمخشری کا قول مزے لے کر پڑھتا ہے؛ اس کی لاج بھی رکھنا چاہیے:

وتمايلي طرباً لحلِّ عويصة　　　في الدَّرْسِ أَشْهَى مِنْ مُدَامَةِ سَاقِ

''اور کسی مشکل مسئلہ کے حل ہوتے وقت میرا جھومنا ساقی کے جام شراب سے زیادہ محبوب ہے۔''

تہجد کی برکات، عاجزی، بلند ہمتی، فکری ارتقا اور اعلیٰ اخلاق کی برکات سے کون انکار کرسکتا ہے؟ مطالعہ میں وسعت پیدا کرنے کے لیے کئی کئی شروحات کا مطالعہ اور اس کے بعد ترتیب اور تسہیل کی الجھنوں سے گزرنا کیا آسان کام ہے؟ استاذ کتاب نہیں بلکہ علم وفن کی شناوری کراتا ہے۔ لیکن طالب علم کی نظر بس صرف ایک ہی شرح کے اردگرد گھومتی ہے۔ استاذ کا اپنے پاس ڈائری رکھنے کا معمول بھی ہے کتاب پر اپنی فکر اور علمی نکتے لکھنے کا رواج ابھی تک ہے۔ اور اس کی بنیاد پر خوب تیاری کر کے طلبا کی علمی اور ذہنی تیاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہیں۔ مولانا شمس الحق افغانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مدرس کو تین مرتبہ مطالعہ کرنا چاہیے۔ پہلی مرتبہ فہم کے لیے، دوسری مرتبہ افہام کے لیے اور تیسری مرتبہ تسہیل افہام کے لیے۔

اولوالعزم دانشمندی جب کرنے پہ آتے ہیں　　　سمندر چیر دیتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

جب طلبہ کی توجہ ان مفید اور کارآمد باتوں کی طرف ہوجائے تو سمندر سے صدف نکالنے پر اُترتے ہیں۔

فائدہ: اَمالی املا کی جمع ہے جس کے معنیٰ ہیں لکھوانا۔ پہلے زمانے میں یہ دستور تھا کہ: استاذ مسند درس پر بیٹھ جاتے تھے اور اپنے حافظہ سے شاگردوں کو مسائل لکھواتے تھے، طلبہ قلم، دوات اور کاغذ لے کر بیٹھ جاتے۔ طلبہ پہلے اس کو یاد کرتے پھر وہ کاپیوں میں جمع کر لیتے تھے اور جو کچھ جمع ہو جاتا اس کو کتابی شکل دے دی جاتی تھی، اس کو ''اَمالی'' کہا جاتا ہے، علمائے شافعیہ اس کو ''تالیفات'' بھی کہتے ہیں۔ اور دورِ حاضر میں اس کو تقریر یا نوٹس کہا جاتا ہے۔ شاگرد استاذ کی زبانی تقریر قلم بند کریں۔ اس میں بہت سی مفید اور نادر باتیں جمع ہوجاتی تھیں۔ بعد

میں طالب علم نوٹس پر عنوانات لگائیں ،آیات قرآنیہ اوراحادیث مبارکہ پر نمبر لگانے کا اہتمام کریں۔ اشعار اوراشخاص کا تعارف کرائیں، گویا آپ ان نوٹس کو چار چاند لگائیں۔

اگر اپنے اساتذہ کرام اور ماہرین علوم وفنون کی باتیں قید تحریر میں لاکر محفوظ نہ کیے گئے تو بہت سی علمی اور فکری باتیں ضائع ہوجائیں گی، اور پھر کفِ افسوس ملنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

سلف میں محدثین، فقہا اور ماہرین علوم وفنون سب کا یہی طریقہ کار رہا۔ وہ اپنی اپنی لائن کے علوم لکھواتے تھے، اب نہ وہ علماء رہے اور نہ وہ علم ہی رہا، اس لیے املا کا یہ طریقہ بس قصہ پارینہ بن کر رہ گیا ہے۔

صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے امالی تین سو جلد میں تھے۔ افسوس ہے کہ اب اس عظیم سرمایے کا کہیں وجود نہیں اور غالباً وہ امالی دسویں صدی کی مشہور جنگ طوائف الملوکی میں ضائع ہوئے ہیں۔ صرف یہ نہیں بلکہ آپ کی مؤلفات کثیرہ کا ذکر اہل علم کی کتابوں میں موجود ہے، لیکن اب وہ تمام کتابیں ناپید ہیں، اس میں زمانہ کے ظالم ہاتھوں کا ضرور کردار ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جتنا افسوس مجھ کو لیث بن سعدؒ (ولادت 92 یا 94ھ وفات 175ھ) کی موت پر ہوا اتنا کسی کی موت پر نہیں ہوا۔ خود امام شافعیؒ فرماتے ہیں، کہ امام لیث بن سعدؒ امام مالکؒ سے زیادہ فقیہ تھے۔

الليث أفقه من مالک إلا أن أصحابه لم يقوموا به۔ (تہذیب التہذیب: 4/610)

کبھی یوں فرماتے تھے: اَللَّیْثُ أَفْقَهُ مِنْ مَالِک ضَیَّعَهُ أَصْحَابُه۔

''لیثؒ امام مالکؒ سے زیادہ فقیہ تھے، پر ان کے تلامذہ نے انہیں ضائع کر دیا۔''

حافظ ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں: کہ ضائع کر دینے سے امام شافعی کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح امام مالکؒ وغیرہ کی فقہ کے ان کے شاگردوں نے تدوین کی، امام لیث بن سعدؒ کے شاگردوں نے نہ کی۔ صدر الائمہ موفق بن احمد مکی نے ''مناقب الإمام الأعظم'' میں امام شافعیؒ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ: مجھے کسی شخص کے متعلق ایسی حسرت نہیں جیسی کہ لیث بن سعدؒ کے متعلق ہے، کیوں کہ میں نے ان کا زمانہ پایا اور پھر بھی ان کی زیارت نہ کرسکا جس کی حسرت دل میں باقی رہ گئی۔

امام لیث بن سعدؒ حدیث وفقہ میں ممتاز مقام کے حامل تھے، مجتہد تھے، مصر میں ان کا مذہب بھی ایک عرصہ تک رائج رہا۔ ان کی فقاہت کی تعریف موافق ومخالف سبھی نے کی ہے، لیکن ان کو اعلیٰ مرتبہ کے شاگرد میسر نہ ہونے کی وجہ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا، اسی لیے ان کا نام بحیثیت مفتی ومجتہد کے مٹ گیا، اگرچہ محدثین کی زبانوں پر ان کا نام اس حیثیت سے رہا کہ وہ ایک قابل اعتماد اور ثقہ روای ہیں۔ (تاریخ فقہ اسلامی، اردو 385

وہ امام مالکؒ کے ہم عصر تھے۔ ان دونوں میں بعض امور کے تعلق سے اختلاف بھی تھا، جس پر دونوں میں مشہور خط کتابت بھی ہوئی۔ امام لیث بن سعدؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام مالکؒ کے ستر مسائل ایسے شمار کیے جو سنت کے

خلاف تھے چنانچہ میں نے اس بارے میں ان کو خط لکھ کر بھیج دیا ہے۔(جامع بیان العلم:2/ 148 بحوالہ مقدمہ انوارالباری:1/ 198،ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان تاریخ اشاعت،1425ھ)

امام شافعی کا اعتراف کہ لیث امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے۔انہوں نے امام مالکؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا اوران کے بڑے قدر شناس تھے، کہتے ہیں کہ جب علما کا ذکر ہو تو امام مالک ستاروں کے مانند ہیں؛ لیکن فقہی تقابل میں انہوں نے امام مالک پر لیث بن سعد کو ترجیح دی۔اوراس کے ساتھ ہی ایک چھپے ہوئے سوال کا جواب بھی دے دیا۔

جب لیث بن سعد مصری زیادہ فقیہ ہیں تو پھر ان کو وہ شہرت وہ مقام اور متبعین کی وہ کثرت کیوں نصیب نہ ہوئی جو امام مالک کو نصیب ہوئی تو اس کا جواب امام شافعی یہ دیتے ہیں کہ ان کے شاگردان کے کام اور مشن کو لے کر کھڑے نہیں ہوئے،اس وجہ سے ان کا علم اوران کی فقاہت عروج پذیر نہیں ہوئی اوران کا نام اور کام اور کارنامہ شہرت دوام حاصل نہ کرسکا۔ائمہ متبوعین کو اللہ نے ایسے باصلاحیت مخلص اور محبت کرنے والے شاگردوں سے نوازا ،جنہوں نے اپنے استاذ کے منہج کو اپنا منہج بنایا اور اپنے استاذ کے علمی کارنامہ کو دنیا بھر میں مشتہر کیا۔انہوں نے اپنے استاذ سے بجا طور پر علمی اختلاف بھی کیا،استاد کے دلائل اور نظریہ پر تنقید بھی کی؛ لیکن اسی کے ساتھ استاد سے چمٹے رہے۔ان کو چھوڑا نہیں ان سے جدائی اختیار نہیں کی۔ان کی فقہی کاوش اور مرتبہ معلوم کرنے کے لیے محقق قلعہ جی کی"موسوعة فقه الليث بن سعد "ڈاکٹر عبدالحلیم کی"الليث بن سعد إمام أهل مصر "اور ڈاکٹر سعد محمود کی مایہ ناز کتاب"فقه الليث بن سعدفي ضوءالفقه المقارن "اہم کتابیں ہیں۔

آج ہمارے سامنے تیس جلدوں میں امام سرخسی کی ضخیم موسوعہ"المبسوط"موجود ہے یہ طلبا کے علمی نوٹس ہیں جو انہوں نے اپنے استاذ سے نقل کیے۔

پانچویں صدی ہجری کے مشہور امام محمد بن احمد بن ابوبکر سرخسیؒ(متوفی ۴۳۸ھ) ان علماء میں سے ہیں،جنہیں آیۃ من آیات اللہ(اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی) کہنا چاہیے،آپ اصلاً خراسان کی ایک بستی''سرخس'' کے رہنے والے تھے، اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو''سرخسی'' کہا جاتا ہے۔آپ تحصیلِ علم کے لیے''کرغیزستان'' کے شہر''اوزجند'' تشریف لے گئے تھے،بعد میں آپ نے وہیں سکونت اختیار کی،آپ نے حاکمِ وقت کی مرضی کے خلاف کوئی فتویٰ دیا، یا کوئی بات نصیحت کے طور پر کہی جس کی وجہ سے حاکمِ وقت''خاقان'' نے آپ کو ایک کنویں نما گڑھے میں قید کردیا۔ڈاکٹر صلاح الدین منجد نے''شرح السیر الکبیر'' کے مقدمہ میں اس قید کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ خاقان نے اپنی ایک کنیز کو آزاد کر کے عدت سے پہلے ہی اس سے نکاح کرلیا تھا،امام سرخسیؒ نے اس پر اعتراض کیا،تو اس نے انہیں قید کردیا،اوروہ سالہا سال کے لیے اس کنویں نما گڑھے میں قید رہے، جہاں

ان کے لیے چلنا پھرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ظاہر ہے کہ ان کے شاگردوں کو اس واقعے سے کتنا دکھ ہوا ہوگا، انہوں نے اپنے استاذ کی دل بستگی کے لیے درخواست کی کہ ہم روزانہ اس کنویں کے منہ پر آجایا کریں گے، آپ ہمیں کچھ املا کرادیا کریں۔

علامہ سرخسیؒ پہلے سے چاہتے تھے کہ امام حاکم شہیدؒ کی کتاب ''الکافی'' کی شرح لکھیں، چنانچہ انہوں نے اسی کنویں سے اپنی عظیم کتاب ''المبسوط شرح الکافی'' املا کرانی شروع کی، اور علم کی تاریخ کا یہ منفرد شاہ کار، اوزجند کے ایک کنواں نما قید خانے میں اس طرح وجود میں آیا کہ ۳۰ ضخیم جلدوں کی یہ کتاب کنویں سے املا کرائی گئی، کنویں کے منہ پر بیٹھے ہوئے شاگردوں کو لکھوائی گئی، جو آج فقہ حنفی کے لیے معتبر ومستند مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں، اور کوئی بھی فقیہ اپنی بات کے اعتبار واعتماد کے لیے اس سے مستغنی وبے نیاز نہیں ہوسکتا۔امام سرخسیؒ کے تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ کنویں سے جو املا کراتے تھے، وہ خالص اپنی یادداشت کی بنیاد پر کراتے تھے، کسی کتاب کی مدد انہیں حاصل نہیں تھی، اور یہ بات ظاہر بھی ہے کہ کنویں میں قید ہونے کی حالت میں دوسری کتابوں سے باقاعدہ استفادہ بظاہر ممکن نہ تھا۔جن حضرات نے مبسوط سے استفادہ کیا وہ اس کرامت کا صحیح اندازہ کرسکتے ہیں، کہ اتنی تحقیقی کتاب جو بعد والوں کے لیے فقہ حنفی کا مستند ماخذ بن گئی۔المبسوط کے مقدمہ صفحہ 47 میں ڈاکٹر کمال عبدالعظیم العنانی استاذ الفقہ بجامعۃ الازھر القاہرہ اور نواب صدیق حسن خان نے ابجد العلوم میں لکھا ہے کہ:

وقيل له يوما: حفظ الشافعي ثلاثمائة كراس فقال: حفظ زكاة ما أحفظه فحسب ما حفظ فكان: اثني عشر ألف كراس.(أبجد العلوم للقنوجي: 3/ 117)

علامہ سرخسی نے مبسوط تیس جلدوں میں شاگردوں کو املا کروائی ہے۔حالت یہ ہے کہ وہ کنویں میں قید تھے اور کنویں کے اندر سے بولتے تھے، شاگرد لکھتے رہتے تھے اور جگہ جگہ فرماتے تھے قال المحبوس (قیدی نے کہا) اندازہ لگائیے کہ کیسے کیسے علماء تھے؟!۔

آج کل طلبہ میں تعلیمی رجحان کے کم ہونے کی جہاں بہت ساری وجوہات ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اساتذہ کرام کے درس بیداری کے ساتھ نہ لکھتے ہیں اور نہ سنتے اور نہ یاد کرتے ہیں۔

ہم نے طے کیں اس طرح سے منزلیں
گر پڑے، گر کر اٹھے، اٹھ کر چلے

نامور فقیہ، ماہر قانون دان ڈاکٹر شیخ مصطفی الزرقا

مولانا بدرالحسن القاسمی

ان الفقيه الذي لاحظّ له من الادب واللغة لايستحق النفقة من بيت المال وريعه المختص للفقهاء (القنية للامام الزاهدي)

''ایسا فقیہ جس کو زبان وادب سے کوئی مناسبت نہ ہو وہ فقہاء کیلئے بیت المال میں مخصوص وقف کی جائیداد اور اسکے منافع سے نفقہ لینے کا مستحق نہیں ہے''۔

علامہ مصطفی الزرقا اپنے یونیورسٹی میں محاضرہ کے دوران ایک نکتہ کے طور پر اس کا ذکر کیا کرتے تھے تاکہ طلبہ میں ادب اور لغت میں مہارت حاصل کرنے کا شوق ہو وہ خود فقیہ ہونے کے ساتھ بلند پایہ ادیب بھی تھے چنانچہ عنفوانِ شباب میں ہی وہ ہزاروں اشعار کے حافظ تھے اور ادب میں نمایاں مقام حاصل کر چکے تھے اور طالب علمی ہی کے زمانہ میں ادب کی تین کتابیں ایڈٹ کر کے شائع کیں:

۱: کفایۃ المتحفظ۔ ۲: مختصر الوجوہ في اللغۃ۔ ۳: المذکر والمؤنث۔

مصطفی الزرقا اچھے شاعر بھی تھے اپنی دوسری اہلیہ جن سے تعلق خاطر زیادہ تھا اس کے مرثیہ میں فرماتے ہیں:

بقيت وغبت !بعدک ماالبقاء
فديتک لو يتاح لي الفداء
ولكني بفقدک عدت طفلا
اضاع البيت اذ حل المساء
فليس لديه غير الدمع نطق
ولا صبر لديه ولا اهتداء

''اس بچہ کی پریشانی کا تصور کیجیے جو شام کے وقت بچھڑ گیا ہو اور اسے اپنے گھر کا نام و پتہ بھی بتانے کا ہوش نہ ہو، اب کس مپرسی کے عالم میں اس کے لیے سوائے رونے اور آنسو بہانے کے چارہ کار ہی کیا رہ جاتا ہے؟!''

شیخ اپنی گزر جانے والی اہلیہ کی جدائی کے بعد اپنی مثال اسی بے سہارا غم سے نڈھال بچہ کی پیش کر رہے ہیں غم فراق کی تصویر اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے؟ اسی طرح اپنے جواں مرگ بیٹے نوفل کی وفات پر اسے

خطاب کر کے کہتے ہیں:

كان التيتم للصغار بفقدهم
اباءهم فاذا الامور تبدل
فاليوم فقدک يابني اضاعني
واراک قد يتمتني يا "نوفل"

یعنی اب تک تو یتیم کا لفظ ان بچوں کیلئے استعمال کیا جاتا تھا جن کے باپ کا انتقال ہو گیا ہو لیکن اب یہ اصطلاح بھی بدل رہی ہے، میرے پیارے بیٹے نوفل تمہارے انتقال سے میں بے سہارا ہو گیا ہوں اور تم نے مر کر مجھے "یتیم" بنا دیا ہے۔ مصطفی الزرقا صرف کتابوں کے ہی عالم اور فقیہ نہیں تھے اپنی زندگی کے تمام معاملات، اہل خانہ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں بھی فقیہ تھے، ناخن کاٹنے، بال رکھنے اور تراشنے، گھر کے چھوٹے بڑے ہر کام کے انجام دینے میں بھی انکی شان فقیہانہ ہوتی تھی اور ہر طرح کے اوزار نہایت سلیقہ سے اپنے گھر میں رکھتے اور ان کا استعمال کرتے تھے۔ شیخ ابوزہرہ جو خود نامور فقیہ اور تامین کے مسئلہ میں ان کے سخت ناقد تھے وہ بھی فرماتے ہیں:

لقد كان الشيخ الزرقا فقيها في كل شئ في بيته في طعامه وشرابه في تدريسه في كلامه في فتاواه۔

شیخ مصطفی الزرقا کے والد احمد الزرقا اور دادا محمد الزرقا دونوں اپنے وقت کے نامور فقیہ تھے فقہ حنفی میں انہیں امامت کا درجہ حاصل تھا۔ شیخ احمد الزرقا کی ''شرح القواعد الفقہیہ'' معروف ومتداول ہے۔ شام کے فقہائے احناف علامہ ابن عابدین شامی کی رد المحتار کو لفظ بلفظ ہضم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بالاستیعاب اسے پڑھتے اور حرز جان بنائے رکھتے ہیں۔ بدائع الصنائع اور البحر الرائق وغیرہ دیگر مصادر پر نظر ضرور رکھتے ہیں لیکن ان کا اصل سرمایہ حاشیہ ابن عابدین اور تنقیح الفتاوی الحامدیہ ہی ہوتا ہے۔

شیخ مصطفی الزرقا کو فقہ میں مہارت تو گھر میں ہی حاصل ہوئی ان کے والد ان کے ساتھ ایک ہی کمرہ میں سوتے اور ان کے ساتھ فقہی دقائق پر بحث کرتے مشکل مسائل حل کرتے، ان کے ساتھ بحث ومناقشہ کرتے تھے، انہوں نے یونیورسٹی میں قانون پڑھا اور اس میں پوری مہارت حاصل کی، فرانسیسی زبان انہوں نے بچپن میں ہی سیکھ لی تھی، بعد میں وہ قاضی بھی رہے، دو مرتبہ وزیر عدل وانصاف کے منصب پر بھی فائز ہوئے، پارلیمنٹ کے ممبر بھی رہے، قانون سازی کے میدان میں بھی نام کمایا، ''قانون الاحوال الشخصیہ'' مرتب کیا اور دوسری قانونی کتابیں لکھیں، وہ یونیورسٹی کے پروفیسر بھی رہے اور ہزاروں طلبہ کو فقہ واصول اور فقہی قواعد کی تعلیم دی۔ ایم اے اور ڈاکٹریٹ کے

رسالے اپنی نگرانی اور اشراف میں تیار کرائے، اس کے علاوہ انہوں نے فقہ اکیڈمیوں کی تاسیس میں حصہ لیا، مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے ماتحت قائم ''المجمع الفقہی الاسلامی'' اور اسلامی ملکوں کی تنظیم تعاون کونسل کے ماتحت قائم بین الاقوامی فقہ اکیڈمی کی تاسیس میں شرکت کی اور ان کے سب سے فعال رکن رہے، ان کو ترقی دی اور نئے مسائل کے حل میں حصہ لیا اور اپنی رائے پوری قوت اور بھرپور دلائل کے ساتھ پیش کئے اور کسی کی موافقت یا مخالفت کی کبھی پروا نہیں کی۔

فقہی انسائیکلو پیڈیا (الموسوعہ الفقہیہ) کی تدوین کا مبارک سلسلہ بھی شیخ مصطفی الزرقا کا مرہون منت ہے۔ اس کی منصوبہ بندی میں انکی شرکت شروع سے رہی ہے۔ ڈاکٹر مصطفی الزرقا اپنے رفیق ڈاکٹر معروف الدوالیبی کے ساتھ فرانس کی سوربون یونیورسٹی کی طرف سے 1951ء میں منعقد ہونے والے اسلامی فقہی سیمینار میں شریک ہوئے جس میں بعض مشہور مستشرقین بھی موجود تھے اسکی سیمینار کی قرارداد میں فقہ اسلامی کو آسان زبان میں پیش کرنے کی ضرورت کا اظہار کیا گیا تھا تاکہ اسلامی قانونی ذخیرہ سے ساری دنیا مستفید ہوسکے اور مشکل فقہی اصطلاحات اس میں حائل نہ ہوں۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لیے انہوں نے اپنے دوسرے رفقاء ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، ڈاکٹر معروف الدوالیبی، شیخ محمد المبارک وغیرہ کے ساتھ اس کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی اور دمشق یونیورسٹی میں کلیۃ الشریعۃ کے 1954ء میں آغاز کے بعد باقاعدہ کام شروع کیا اور تمہیدی ابحاث لکھیں، پھر جب 1958ء میں مصر اور شام کو متحدہ جمہوریہ کی حیثیت دی گئی تو مصر کے علماء بھی اس میں شامل ہوگئے اور 1960ء میں موسوعہ کی پہلی جلد نمونہ کے طور پر شائع ہوئی لیکن 1961ء میں دونوں ملکوں کے درمیان اتحاد ختم ہوجانے کے بعد کام آگے نہیں بڑھ سکا۔ موسوعہ کی تیاری کی دوسری کوشش مصر میں شروع ہوئی تھی جو اب تک جاری ہے اور اس کی تکمیل نہیں ہوسکی ہے۔ مصر کا موسوعہ آٹھوں فقہی مذاہب (حنفی مالکی شافعی حنبلی ظاہری زیدی جعفری اباضی) پر مشتمل ہے اسکی تکمیل کے لئے وقت بھی زیادہ درکار ہے۔ 1966ء میں جب کویت کی وزارت اوقاف ومذہبی امور نے فقہی انسائیکلو پیڈیا (الموسوعۃ الفقہیہ) کی تیاری کا کام اپنے منصوبہ میں شامل کرلیا تو اس مشروع کی تنفیذ اور تکمیل کے لیے ڈاکٹر مصطفی الزرقا ہی کو منتخب کیا چنانچہ وہ کویت آگئے۔ اس کی خاکہ بندی کی اور اس کام کی انجام دہی کیلئے مساعدین کے طور پر فقہاء کی ایک جماعت کو طلب کیا۔ فقہی اور مصادر ومراجع پر مشتمل ایک لائبریری کی بھی بنیاد ڈالی اور فقہی مصادر کا نہایت ہی قیمتی ذخیرہ جمع کیا۔ جس میں ڈاکٹر مصطفی السباعی کے ذاتی کتبخانہ کی کتابیں بھی شامل ہیں۔ پھر انہوں نے الفبائی ترتیب سے قطع نظر کچھ اصطلاحات پہلے ان بڑے علماء کے پاس استکتاب کیلئے بھیجیں جن کے دنیا سے جلد چلے جانے کا اندیشہ تھا تاکہ انکے علم سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ بحث لکھنے کیلئے تفصیلی خاکہ

اور ہدایت نامہ بھی بھیجا گیا جس میں بحث کی ترتیب اور فقہی مذاھب کو انکے اصلی مصادر سے نقل کرنے بحث کے نتائج اور موضوع سے متعلق نئے مسائل کا ذکر کرنے، حوالوں اور مصادر کے ذکر کا پورا التزام کرنے اور بحث کی ترتیب وصیاغت میں زبان کی صحت وسلامتی اور تعبیر کی سہولت ووضاحت کا لحاظ رکھنے پر زور دیا گیا تھا۔ظاہر ہے کہ ان تمام شروط کے ساتھ بحث لکھنا آسان نہیں تھا لیکن شخصیات بھی اسکے لئے ویسی ہی منتخب کی گئیں تھیں۔ چنانچہ شیخ مصطفی الزرقا کے اشراف کے زمانہ میں پچاس فقہی ابحاث لکھی گئیں، جن کو مثالی بحثیں کہنا چاہیے، پھر ان کو دوسرے فقہاء کے پاس بھیج کر ان کے بارے میں رائے لینے کا بھی فیصلہ کیا گیا، لیکن 1971ء میں منتخب ہونے والے وزیر نے موسوعہ فقہیہ کے پروگرام کو موقوف کر دیا شیخ مصطفی اردن چلے گئے پھر 1975ء میں منتخب ہونے والے نئے وزیر نے منصوبہ کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے دوبارہ اسے شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ڈاکٹر مصطفی الزرقا جو کویت چھوڑ چکے تھے دوبارہ ان کو بلانے کی کوشش ہوئی لیکن وہ اردن یونیورسٹی کی تدریس چھوڑ کر آنے پر آمادہ نہیں ہوئے، چنانچہ اس مشروع کیلئے دوسرے علماء لائے گئے اور کام مسلسل جاری رہا اور 45 جلدوں میں تقریبا 35 سال کے بعد اس کی تکمیل ہوئی، لیکن اسے صرف چار مذاہب حنفی مالکی شافعی اور حنبلی تک محدود کر دیا گیا۔دیگر مذاھب ظاہری زیدی اباضی اور جعفری سے اس میں تعرض نہیں کیا گیا ہے۔

تمہیدی پچاس بحثیں جو شیخ مصطفی الزرقا نے لکھوائی تھیں ان کے لکھنے والوں میں علامہ الطاہر بن عاشور ان کے بیٹے الفاضل بن عاشور اور ڈاکٹر ابراھیم عبد الحمید جیسے فاضل علماء شامل تھے اور ان میں سے بعض ابحاث پر خود ڈاکٹر مصطفی الزرقا کی نہایت بصیرت افروز اور گرانقدر تعلیقات بھی ہیں۔مثال طور پر دیکھیے ''الحوالۃ'' اور ''القسمہ'' وغیرہ کے عنوان سے لکھی جانیوالی بحثیں، ڈاکٹر مصطفی الزرقا کے رگ وریشہ میں فقہ قانون اور قواعد واصول اس طرح سرایت کئے ہوئے تھے کہ ان کو بجا طور پر ''فقیہ النفس'' کہا جا سکتا ہے۔ان کی دوسری خصوصیت زبان وبیان پر ان کی غیر معمولی قدرت اور لغت وادب کا ایسا ملکہ ہے کہ ان کی تعبیر میں جزالت وفصاحت اور تحریر میں اعلیٰ درجہ کی بلاغت وسلاست ان کو اوروں سے ممتاز بناتی ہے۔ چنانچہ ان کی تصنیفات میں یہ ساری خصوصیات نمایاں ہیں۔انہوں نے فقہ اسلامی کو زبان اور ترتیب وصیاغت کے لحاظ سے اس طرح پیش کیا ہے جو عصر حاضر سے ہم آہنگ اور موجودہ عقلی رجحانات اور ذہنی تقاضوں کے مطابق ہے، دیکھیے ان کی تصنیفات میں :

۱: المدخل الفقهي العام۔۲: نظرية العقد في الفقه الاسلامي۔۳: نظرية الاہلية والولاية۔۴: نظرية العرف۔۵: نظرية الالتزام۔۶: العقود المسماة في الفقه الاسلامي۔۷: عقد الاستصناع۔۸: الفعل الضار۔ ۹: المصالح المرسلة وغیرہ۔

بلاشبہ ڈاکٹر مصطفی الزرقا عصر حاضر کے فقہاء میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے۔ان کے معاصر شیخ محمد ابوزھرہ فقہ میں مہارت کے ساتھ اپنے حافظہ کی قوت میں بے مثال تھے جبکہ شیخ مصطفی الزرقا نے فقہ کے قانون کو بھی اپنے اصل اختصاص کا موضوع بنایا تھا، اس لیے ان میں جزئیات تک رسائی؛ مسائل کے تحلیل وتجزیہ اور اسکی روشنی میں نئے پیدا ہونے والے مسائل کے احکام کے استخراج کی صلاحیت بے پناہ تھی،لیکن ڈاکٹر مصطفی الزرقا کی اس تعریف اور مدح سرائی کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ ان کا ہر فتویٰ قابل اعتماد اور ان کی ہر تحقیق صحیح ہے، بلکہ جیسا کہ میں نے اپنے مضمون "مقبول شخصیتوں کی نا قابل قبول باتیں" میں واضح کر دیا تھا کہ: لکل جواد کبوۃ ولکل صارم نبوۃ ولکل عالم ھفوۃ والی مثل کو سامنے رکھتے ہوئے کسی بھی عالم کے شاذ قول یا جمہور کی رائے سے الگ فتویٰ اور ایسی تحقیق کو مستند مسئلہ کے طور پر قبول نہیں کیا جاسکتا اور عام امت کو اس پر عمل کرنے کی دعوت بھی نہیں دی جاسکتی جیسا کہ علامہ قاسم بن قطلو بغا کا اپنے استاذ محقق ابن الھمام کے بارے میں یہ کہنا کہ اما شواذ اقوال شیخنا فلا تعتمد للفتویٰ کمال علم اور غایت تحقیق کے وصف کے باوجود "ہمارے شیخ کے شاذ اقوال فتویٰ کیلئے قابل اعتماد نہیں ہیں"۔

ڈاکٹر مصطفی الزرقا سے جن مسائل میں اتفاق نہیں کیا جاسکتا ان میں سب سے اہم مسئلہ تامین یعنی انشورنس کی تمام صورتوں کے جواز کا ہے حتیٰ کہ لائف انشورنس کے بھی وہ جواز کے قائل ہیں اور اس کے لئے انہوں نے متعدد دلائل بھی دیے ہیں اور مفصل کتاب بھی لکھی ہے۔کانفرنس کے دوران ان کے نظریہ کی دلائل کے ساتھ مکمل تردید شیخ محمد ابوزھرہ نے کی؛لیکن شیخ مصطفی الزرقا اپنی رائے پر قائم رہے اور ان میں ذرا بھی تزلزل پیدا نہیں ہوا۔شیخ ابوزھرہ نے باطل کو دلائل کے ذریعہ حق کی شکل میں دلائل کیساتھ پیش کرنے کی اسے نادر مثال قرار دیا۔دونوں ہی بلند پایہ فقیہ تھے لیکن اس مسئلہ میں ہم شیخ ابوزھرہ کے مؤید ہیں اور شیخ مصطفی الزرقا کی رائے کو صحیح نہیں سمجھتے گو کہ انہوں نے اپنی رائے کی تائید میں دلائل جمع کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

دوسرا مسئلہ جس کے بارے میں ہمیں شیخ مصطفی الزرقا کی رائے سے اتفاق نہیں ہے وہ ہجری مہینوں کے اثبات میں فلکی حساب پر ان کا کلی اعتماد ہے، چنانچہ مکہ مکرمہ کی اکیڈمی پھر جدہ کی بین الاقوامی فقہ اکیڈمی نے چاند کے اثبات میں صرف حساب پر اعتماد نہ کرنے سے متعلق قرارداد منظور کی تو اس سے اختلاف کرنے والے تنہا ڈاکٹر شیخ مصطفی الزرقا ہی تھے، چنانچہ ایک صاحب نے چٹکی لیتے ہوئے کہا کہ شیخ انت وحید المجمعین۔متعدد مسائل میں بھی ان کی رائے دوسرے علماء سے مختلف ہے، جیسے ہوائی جہاز سے مکہ مکرمہ آنے والوں کیلئے جدہ کو میقات قرار دینا کیونکہ ان کے نزدیک فضا میں میقات کا کوئی تصور نہیں ہے اور اپنے وطن سے احرام باندھ کر آنا شدید حرج کا باعث ہے، یہی رائے قطر کے سابق مفتی شیخ عبداللہ بن زید آل محمود کی بھی تھی

جس کی شیخ عبداللہ بن حمید نے تردید کی ہے اور مستقل رسالہ لکھا ہے۔

امریکہ اور مغربی ممالک میں مقیم لوگوں کیلئے بینک سے سودی قرض لیکر مکان خریدنے کے جواز کے بھی بعض شرائط کے ساتھ وہ قائل ہیں کرایہ دار کیلئے بدل الخلو کو بھی وہ جائز سمجھتے ہیں۔شیخ مصطفی الزرقا کی عجیب رایوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مشہور حدیث من رانی في المنام فقد راني کو عہد نبوی کے ساتھ خاص مانتے ہیں اور سب سے آخری صحابی کی وفات کے بعد کسی کے خواب کی وہ حیثیت نہیں مانتے۔اپنی اس رائے کی تائید میں ان کو ابن جزی الغرناطی کا یہ قول بھی مل گیا کہ :

ان رؤيا النبي صلي الله عليه وسلم لا تصح الا لصحابي راٰه و حافظ علي صفته ۔

فقہ میں عورت کی دیت کا مسئلہ ایک معمہ کی حیثیت رکھتا ہے؛ چنانچہ عقل المرأة مثل عقل الرجل حتي يبلغ الثلث من ديته وما زاد فعلي النصف جس کی بنیاد پر جمہور کی رائے یہ ہے کہ کسی نے عورت کی تین انگلیاں کاٹ لیں تو مرد کی طرح اس کی دیت 30 اونٹ ہوگی ،لیکن اگر چار انگلیاں کاٹ لیں تو دیت 20 اونٹ ہو جائے گی۔ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ عقلی طور پر عجیب سا معلوم ہوتا ہے جس پر استعجاب کا اظہار امام مالک کے شیخ ربیعۃ الرائ نے بھی کیا ہے۔شیخ الزرقا کے دماغ نے اس کا ایک نیا حل نکالا ہے ان کی رائے میں حدیث کا مفہوم یہ ہوگا تین انگلی کاٹنے پر 30 اونٹ لیکن چار انگلیاں کاٹنے پر زائد کا نصف یعنی 35 اونٹ ہو جائیگا۔شیخ کی اس توجیہ سے جمہور کے مسلک پر اعتراض کرنے والوں کے مزاج کی حدت اور اعتراض کی شدت میں ایک حد تک شاید کمی ہو جائے۔

اس طرح شیخ مصطفی الزرقا کی زندگی کے نمایاں کارناموں میں فقہ اسلامی کی عصری زبان میں تدوین احوال شخصیہ کے قوانین کی ترتیب فقہی قواعد اور پیچیدہ مالیاتی مسائل کی وضاحت کے علاوہ جدید مسائل کے حل کیلئے انفرادی فتووں پر بھروسہ کرنے کے بجائے اجتماعی بحث وتحقیق کے ادارے کے قیام اور فقہ اکیڈمیوں کی تاسیس وتشکیل بھی ہے۔فقہی انسائیکلو پیڈیا کی تدوین کی کوشش میں وہ پیش پیش رہے۔اور کویتی موسوعہ فقہیہ کا خاکہ بھی انہوں نے ہی تیار کیا اور اس کے لئے تمہیدی ابحاث اپنی نگرانی میں لکھوائیں اس کے علاوہ اور بھی ان کے کام ہیں جو اپنی جدت ندرت اور دقت کے لحاظ سے امتیاز رکھتے ہیں۔ان کے فتاویٰ کا مجموعہ ''فتاوی الزرقا'' کے نام سے مجدکی صاحب نے مرتب کیا ہے اور ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے ان کی فرمائش پر اس کا مقدمہ لکھا ہے۔ان کے فتاوے اہم اور قیمتی ہیں؛ لیکن ان کے ہر فتوے سے اتفاق نہ ممکن ہے اور نہ ضروری۔

شیخ ڈاکٹر مصطفی احمد الزرقا شام کے شہر حلب کے ایک علمی گھرانے میں 1907ء میں پیدا ہوئے تھے باپ اور دادا دونوں نامور فقیہ تھے انہوں نے شام اور مصر میں تعلیم کی تکمیل کی دمشق اور اردن یونیورسیٹیوں میں پروفیسر رہے

الراجحی کمپنی کے ایڈوائزر رہے اور فقہی موضوعات پر تحقیقی کتابیں لکھیں اور فیصل ایوارڈ کے کے مستحق قرار پائے اور بھرپور علمی زندگی گزارنے کے بعد جولائی 1999ء میں اردن میں وفات پائی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ان کے اساتذہ میں سرفہرست خود ان کے والد شیخ احمد الزرقا شیخ محمد راغب الطباخ شیخ ابراھیم السلقینی اور محدث شام شیخ بدرالدین الحسینی وغیرہ ہیں۔ان کے مشہور اور نامور شاگردوں میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، ڈاکٹر محمد فوزی فیض اللہ، ڈاکٹر محمد ادیب الصالح، ڈاکٹر احمد الحجی الکردی، ڈاکٹر عبدالسلام العبادی، ڈاکٹر محمد نعیم یاسین، ڈاکٹر محمد الزحیلی، اور ڈاکٹر انس الزرقا وغیرہ ہیں۔ان کے معاصرین میں نامور ادیب شیخ علی الطنطاوی، ڈاکٹر معروف الدوالیبی اور ڈاکٹر مصطفی السباعی وغیرہ شمار ہوتے ہیں۔ان کے تفصیلی حالات کیلئے دیکھئے محمد المجذوب کی: علماء ومفکرون عرفتهم ومحمد رجب البيومي کی النهضة الاسلامية في سير اعلامها المعاصرين عبدالناصر ابوالبصل کی کتاب مصطفی احمد الزرقا فقیہ العصر و شیخ الحقوقیین وغیرہ۔

بقیہ: اجلاس مسؤلین بلوچستان

مولانا عبیداللہ خالد صاحب دامت برکاتہم کا بیان:

حضرت مولانا مدظلہم نے فرمایا: کہ ناظمِ بلوچستان مولانا صلاح الدین ایوبی صاحب مدظلہم اور حضرت ناظمِ اعلیٰ صاحب دامت برکاتہم کا بیان کافی شافی تھا اور ہدایات پر عمل ہونا چاہئے اور ان کو مشعلِ راہ بنانا چاہیے۔

آپ حضرات کی زیارت بڑی چیز ہے، اور ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ بلوچستان والوں سے خصوصی محبت کیا کرتے تھے، اور حضرت کی وابستگی اس صوبے سے زیادہ تھی، اور حضرت صدرِ وفاق دامت برکاتہم العالیہ نے مجھے صوبہ بلوچستان کی نگرانی حوالے کی ہے، اس طرح ہر نائب صدر کو ایک ایک صوبہ کا نگران بنایا ہے۔ وفاق کے عہدے کو ذمہ داری سمجھ لو، نقل کے رجحان کا روک تھام کرلیا جائے۔

اور اجلاس کے اخیر میں حضرت مولانا عبدالمنان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (نائب مہتمم جامعہ مخزن العلوم لورالائی اور رکنِ عاملہ) اور جناب حاجی محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ (برادرِ حضرت مولانا صلاح الدین صاحب، مہتمم جامعہ دارالعلوم چمن) کی مغفرت اور رفعِ درجات کیلئے دعاء اور ایصالِ ثواب کیا گیا۔حضرت ناظم صاحب کی ضیافت پر یہ مبارک مجلس اختتام کو پہنچی۔

شخصیت

عظیم محقق، مفسر و محدث ''انورِ زماں''

حضرت مولانا محمد انور بدخشانی نَوَّر اللہ مرقدہ

صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی

(گزشتہ سے پیوستہ) مولانا بدخشانیؒ کی زندگی کا خلاصہ نکالا جائے تو یقیناً اکثر حصہ میں علوم وفنون کے حصول اور تحقیق و تالیف کے میدان میں نمایاں نظر آئے گا۔ان کی حیات کے دیگر پہلوؤں میں درس وتدریس، امامت و خطابت کے حوالہ سے بھی خدمات کا وسیع سلسلہ ہمارے سامنے ہے۔

اللہ نے ان کو درجنوں علوم وفنون میں ایسی مہارت نے نوازا تھا کہ بڑے بڑے نامور محقق و مصنفین پر بھی مضبوط گرفت فرماتے تھے۔وہ چاہے متاخرین ہوں یا متقدمین؛ وہ اپنے علمی رسوخ سے عالمانہ انداز میں کبھی کبھی اظہار فرماتے تو طلاب علم کے سامنے کئی دقیق مباحث کی کتھیاں سلجھ جاتیں۔علوم عقلیہ میں ان کی حیثیت ایک مجتہد کی مانند تھی۔اس کی بنیادی وجہ برسوں کے شبانہ روز کی عمیق و بسیط علمی دنیا سے ان کی دیرینہ وابستگی تھی۔کئی علوم وفنون جو اب طلباء کو پڑھائے بھی نہیں جاتے ؛ان میں کئی ایسے ہیں جو اب حالات زمانہ کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے نصاب میں شامل کیے گئے ہیں ان سب پر ان کو جو عبور تھا وہ فی زمانہ شاید ہی کسی اور کو اس پایہ کی محققانہ دسترس حاصل ہو۔مثلاً اب علم الفلکیات پڑھایا جارہا ہے۔حضرت بدخشانیؒ کے تعلیمی مراحل میں اوپر تفصیل سے ذکر کیا۔اس میں حضرتؒ نے اس علم وفن کو دھائیوں قبل صرف پڑھا ہی نہیں تھا بلکہ بخوبی سمجھا بھی تھا۔جس میں علم الحساب " جس کے ذریعہ ''میراث " کے تمام مسائل کا ادراک حاصل ہوتا ہے وہ بھی آپ نے پڑھا اور پڑھایا۔اسی طرح فلسفہ جو اب نہیں پڑھایا جارہا اس فن پر بھی آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ بلاغت، علم الکلام، منطق، علم العروض والقوافی سمیت کون سا ایسا علم وفن تھا جس پر آپ کو عبور نہ ہو۔یہی وجہ تھی کہ ہزاروں صفحات پر مشتمل عربی، فارسی اور اردو میں آپ کی درجنوں تصانیف موجود ہیں۔ان تصانیف وتالیفات کا ایک نمایاں حصہ درس نظامی کی کتب کی تسہیلات کی صورت میں ہے۔

جدید زمانہ نے جہاں ہمیں قدیم علوم وفنون سے دور کیا وہیں نصاب میں موجود مؤثر ومفید کتب کی تفہیم کے ادراک سے بھی عاری کیا جو یقینا کسی المیہ سے کم نہیں۔پھر جدیدیت کے طوفان اور مستشرقین کی کھوکھلی باتوں نے مفید خارجی مطالعہ سے بھی ایسا دور کردیا کہ مختصر ترین علوم کو سمجھنے سے بھی ہم خود ساختہ قاصر ہوگئے، اور علوم وفنون کی

وسیع دنیا کے استفادہ سے محرومی کی صورت میں ہم بس مختصر ترین راہوں کی تلاش میں لگ گئے۔یعنی شارٹ کٹ کا راستہ خود ہم نے ہی اپنے لئے بنالیا جس پر سوائے افسوس کے ہم کیا کر سکتے ہیں۔اوراب تو آئے روز ہم اسی زوال کے ساتھ علمی انحطاط کی جانب ہی جارہے ہیں۔

ہمارے اکابر ومشائخ کی دُور اندیشی تھی کہ انہوں نے اس المیہ کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا۔اس میں محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ بھی تھے۔جنہوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ ہمارے درس نظامی کی کتب کو آسان اور عام فہم انداز میں مرتب کیا جائے۔جس سے ایک ادنیٰ صلاحیت کے حامل طالبعلم کو تفہیم کی صورت میسر آجائے۔اس سے کم ازکم اس علم وفن سے مکمل دوری سے بچا جاسکتا ہے اور بنیادی وضروری اصطلاحات سے آگاہی کا حصول قدرے آسان بھی ہوجائے گا۔

حضرت بنوریؒ کی اس سوچ وفکر کو ان کے مایہ ناز تلمیذ حضرت بدخشانیؒ نے عملاً پورا کرتے ہوئے درس نظامی کی مغلق ومشکل کتب کو آسان درآسان بنایا اور اکثر دقیق کتب کو تسہیل کی صورت میں عام فہم انداز میں مرتب کر کے ایک منفرد وقابل رشک کام کیا۔۔۔۔میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کی یہ تاریخی ومثالی کاوش اپنے محسن ومربی حضرت بنوریؒ کی توجہات کی برکت ہے کہ آج دنیا کے کئی ممالک میں درس نظامی کی وہ تسہیلات پڑھائی جارہی ہیں۔اور دنیا بھر کے اکثر مدارس وجامعات کے اساتذہ، علماء وفضلاء ان تسہیلات سے جو بھی علمی وتحقیقی فائدہ اٹھا رہے ہیں وہ حضرتؒ کیلئے بڑا صدقہ جاریہ ہے۔

محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے مدارس دینیہ کے نصاب تعلیم پر مختلف عنوان کے تحت بعض مقالات لکھے ہیں۔جن میں سے کئی مضامین کی شکل میں ماہنامہ بینات میں بصائر وعبر کے نام سے شائع بھی ہوئے ہیں۔جو آپ کی رحلت کے بعد آج دو جلدوں میں مطبوع موجود ہے۔اس میں موجود منتخب مواد کو حضرت مولانا بدخشانی رحمہ اللہ نے" دینی مدارس کی ضرورت اور جدید تقاضوں کے مطابق نصاب ونظام تعلیم " کے نام سے ایک کتابی شکل میں مرتب کیا، اور آپ کے باصلاحیت فرزند ہمارے برادرم مولانا محمد عمر انور بدخشانی سلمہ نے بھی کچھ دیگر مضامین کو الگ سے ترتیب دے کر شائع کیا۔تقریباً دوسو صفحات سے زائد یہ مواد ایک علمی شاہکار کی صورت میں موجود ہے۔جو یقیناً مدارس دینیہ اور دینی تعلیم ونصاب کے حوالہ سے انتہائی مفید ہے۔

اس مجموعہ میں حضرت بنوری رحمہ اللہ نے نصاب کے حوالہ سے جہاں کئی موضوعات پر لکھا ہے وہیں قدیم نصاب کو جدید اسلوب میں مرتب کرنے پر زور دیتے ہوئے اس کی افادیت واہمیت کو بھی واضح طور پر لکھا تاکہ قدیم درسی نصاب کو آسان اسلوب سے پڑھایا جاسکے۔اور قدیم نصاب کی مسلم اور بنیادی حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے جدید

اسلوب سے اس کی تفہیم کو آسان کر دیا جائے۔حضرت بنوری رحمہ اللہ نے مفصل طور پر لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''یہ مانا کہ اس (درس نظامی کے نصاب) میں کچھ دقیق ولطیف ان کے مختارات یا خصوصی ابحاث بھی ہیں،لیکن دوسری طرف اس میں بعض مہمات جس تعبیر میں ادا ہوئی ہیں وہ کوئی علمی روح پیدا کرنے کے لئے مفید نہیں ہوسکتیں۔اسی طرح صرف ونحو،معانی،بیان،منطق،فلسفہ،فقہ وتفسیر اور ادب کا جائزہ لیا جائے تو سب کا حاصل یہ ہی نکلے گا کہ مروجہ درسیات میں ایسی کتابیں داخل ہیں جن میں پوری تدقیق دی گئی ہے اور ایجاز واختصار کا ریکارڈ قائم کیا گیا ہے۔

بے شک ذہن کی جلاء،دقت نظر اور موشگافی کے کمال کو حاصل کرنے کیلئے یہ موزوں ترین ہوں تو ہوں،لیکن عہد حاضر میں ان کے جو نقائص محسوس ہوتے ہیں ان میں سے بطور مثال چند پیش کئے جاتے ہیں''۔۔۔(یہاں سے آگے حضرت بنوری رحمہ اللہ نے دس نکات تحریر کئے جس میں ان علوم وفنون کو پڑھانے،سمجھنے اور سمجھانے کی مشکلات کے بارے میں لکھا اور پھر آخر میں مزید لکھا)..... ''آج ہمارے اسلاف زندہ ہوتے تو جس طرح اس وقت فرق باطلہ کی تحقیق وتنقیح کے بعد امت کیلئے اسلحہ تیار کر کے دے چکے ہیں،اسی طرح آج بھی جدید اسلحہ دفاع کے لئے تیار کرتے اور علوم کا بیش بہا اضافہ کرتے۔اس ضمن میں سرسری طور چند موٹی موٹی باتیں عرض کی گئی ہیں،اگر ہم ان اشارات کو اور اختصار سے پیش کرنا چاہیں تو اس کا خلاصہ دو چیزیں (نکلتی) ہیں:-

(الف) قدیم علوم کی کتابوں میں اکثر مروجہ کتابوں کی تبدیلی۔**(ب)** جدید علوم کا اضافہ۔

اگر غور کیا جائے تو ہمارے مدارس میں بیس بائیس علوم کی تقریباً سو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں،جن پر کم از کم (اعدادیہ کے علاوہ) آٹھ سال کا عرصہ لگتا ہے،ان پر جہاں تک راقم الحروف نے غور کیا بہ مشکل دس کتابیں ایسی ہیں جن کا ہمیں بدل نہیں ملے گا،بقیہ سب کا نعم البدل قدماء ہی کی کتابوں میں مل سکتا ہے،ہم ان قدیم علوم کو ہٹانا نہیں چاہتے بلکہ ان علوم میں صحیح مہارت وقابلیت پیدا کرنے کے لئے بہتر کتابوں کو داخل کرنا چاہتے ہیں اور دور حاضر کے مفاد کے پیش نظر یہ خواہش رکھتے ہیں''۔

(آگے حضرت بنوری رحمہ اللہ نے جن نکات کو پیش کیا اور جن خطوط پر جدید نصاب کی بنیاد اور قدیم نصاب میں ترمیم کی خواہش پر بھی لکھا۔۔۔جو مضمون کی طوالت کے پیش نظر یہاں لکھنے سے قاصر ہوں)

حضرت بنوری رحمہ اللہ کی اس خواہش کی تکمیل کیلئے آپ کے باصلاحیت داماد اور روحانی بیٹے مولانا بدخشانی رحمہ اللہ نے درس نظامی میں شامل کتب کی تسہیل پر کام شروع کیا۔اور جو الحمدللہ آج درجنوں کتب کی شکل میں موجود ہیں اور ایک عالم اس سے فیضیاب ہو رہا ہے۔

مولانا بدخشانی رحمہ اللہ کی دقیق وبلیغ علمی رسوخ کا مظہر ہے کہ آپ نے ان مشکل ترین علوم وفنون کو آنے والی نسلوں کیلئے آسان ترین اسلوب میں مرتب کیا۔جس سے کم استعداد والوں کو جہاں تفہیم کی سہولت میسر ہے وہیں ان نوجوان علماء و مدرسین کیلئے بھی آسانی ہے جو طلباء کی ذہنی صلاحیت کو مدنظر رکھتے ہوئے تفہیم کا ادراک حاصل کرنا چاہتے ہیں۔حضرت بدخشانی رحمہ اللہ سے اللہ نے اس میدان میں جو نمایاں ترین کام لیا وہ واقعی قابل رشک ہے اور اپنے شیخ ومربی (حضرت بنوری رحمہ اللہ) کی خواہش کی تکمیل پر ان کی تمام توجہات کے بھی مستحق رہے۔

علوم وفنون پر ان کی دسترس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے بعض اہم اور مغلق کتابوں کی تسہیل کا کام دنوں میں مکمل کیا۔

تقریباً 1997ء کے آخر کی بات ہے کہ جب آپ کی اہلیہ محترمہ بنت مولانا نور احمد رحمہم اللہ اسلام آباد میں زیر علاج تھیں۔اس دوران آپ ہی مستقل ان کے ساتھ تھے، کیونکہ بچے سب زیر تعلیم تھے۔تقریبا تین چار ماہ آپ کا وہاں قیام رہا، کیونکہ آپریشن کے مرحلہ کے بعد مستقل علاج کے مراحل جاری تھے۔اس دوران آپ کے پاس ضروری کتب بھی دستیاب نہیں تھیں۔آپ نے ان دنوں کے اوقات کو بھی اپنی تالیفات وتصانیف میں مصروف رکھا۔اوراس دوران چار سے پانچ کتب کی تسہیل کا کام جہاں مکمل کیا وہیں فارسی زبان میں ترجمہ قرآن بھی مکمل کیا۔ جوسعودی حکومت نے شائع کیا وہ فارسی زبان کے ''دری'' اسلوب اور لہجے کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھا۔۔

درسی کتب کی تسہیلات کے علاوہ بھی مختلف اہم دینی موضوعات پر حضرت رحمہ اللہ کی کئی محققانہ تحریرات عربی و فارسی زبان میں موجود ہیں۔ایک محقق عالم نے بتایا کہ حضرت بدخشانی رحمہ اللہ کو جتنا فارسی زبان پر عبور تھا اس سے کئی گنا زیادہ عربیت پر ان کو دسترس حاصل تھی۔آپ کی بعض فارسی اور عربی کتب کا آپ کے باصلاحیت و لائق فرزند برادرم مولانا محمد عمر انور بدخشانی سلمہ نے اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔مذکورہ درسی و دیگر علوم وفنون کی کتب کی تالیف اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہیں لیکن ان سب میں آپ کی زندگی کا سب بڑا علمی تحفہ تفسیر قرآن کی شکل میں ہے۔

ایک تو آپ نے فارسی زبان میں ہزاروں صفحات پر مشتمل پانچ جلدوں میں تفسیر لکھی جو اس وقت اشاعت کے مراحل میں ہے۔جو یقیناً فارسی زبان کو سمجھنے اور جاننے والے ممالک اور علاقوں کیلئے یکساں طور پر ایک بہت بڑا علمی خزانہ ہوگا۔آپ نے فارسی زبان میں قرآن کا آسان اور سہل ترجمہ کیا۔جو سعودی حکومت کے زیر انتظام قرآن کی طباعت کا عالمی سطح پر سب سے بڑا اشاعتی ادارہ "مجمع الملک فہد" کے تحت شائع ہوا۔اس ادارہ کے تحت جہاں قرآن مجید کی مختلف خطاطی میں طباعت ہوتی ہے وہیں دنیا کی کئی زبانوں میں تراجم بھی طبع کئے جاتے ہیں۔جن کی تعداد لاکھوں میں ہوتی ہے اور دنیا بھر سے آنے والے لاکھوں حجاج ومعتمرین کو سعودی حکومت کی جانب سے بطور ہدیہ

پیش کیا جاتا ہے۔ جبکہ حرمین شریفین سمیت دیگر مساجد میں جہاں "مجمع ملک فہد" کے خوبصورت و دیدہ زیب طباعت کی شکل میں موجود ہوتے ہیں وہیں جن ممالک میں جو زبان بولی جاتی ہے وہاں بھی سعودی حکومت کی جانب سے بھیجے جاتے ہیں۔ حضرت بدخشانیؒ نے جب فارسی میں ترجمہ لکھا تو سعودی عرب میں موجود حکومتی نمائندوں نے آپ سے رابطہ کیا۔ یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ عرب ممالک کی کئی علمی ہستیوں کا حضرت بدخشانی رح سے دینی نسبت کی وجہ سے دیرینہ تعلق رہا۔ وہاں کے کئی معروف شیوخ نے آپ سے اجازت حدیث بھی حاصل کی۔ جن میں فقہ حنفی کے علاوہ فقہ حنبلی و مالکی کے شیوخ کی بڑی تعداد بھی شامل ہے۔ عرب دنیا کے بڑے نامور محقق و مصنفین کی بڑی تعداد آپ سے مستقل رابطے میں رہتے تھے۔ آپ سے علمی کسب فیض کرنے والوں کے کئی نام ہیں جن کے بارے میں لکھا جا سکتا ہے۔

بہرحال! حضرتؒ نے جب فارسی کا ترجمہ لکھا تو سعودی عرب کے آل شیخ جو وہاں کے دینی و علمی کام کو دیکھتی ہے۔ اس نے فارسی زبان کے کئی تراجم کا باریک بینی سے جائزہ لینے کے بعد حضرت بدخشانیؒ کے ترجمہ کو طباعت کیلئے منتخب کیا۔ اس ادارہ کا نظم ہے جو بھی علمی و تفسیری مواد طباعت کیلئے منتخب ہو تو اس کے لکھنے والی شخصیت کو رائلٹی کی مد میں بڑی رقم دی جاتی ہے۔ تاکہ مروجہ قانونی طور پر اس کے رائٹس ان کو حاصل ہوں۔۔۔ جس کو ہم فقہی اصطلاح میں ''حقوق مجردہ'' بھی کہتے ہیں۔ ہمارے یہاں کے اکابر کی رائے اس بارے تقسیم ہے یعنی دینی کتب کی نشر و اشاعت کے حقوق کو محفوظ کرنے کے طریقہ کار کے حوالہ سے۔

سعودی حکومت کی جانب سے جب آپ سے رابطہ کیا گیا کہ آپ اس کی جو بھی رقم ہو وہ بتا دیں۔ تو آپ نے واضح طور پر سختی سے منع کیا اور فرمایا کہ ''اس کا اجر میں نے اپنے اللہ سے لینا ہے اور یہ میری آخرت کیلئے ہے اسی غرض سے میں نے یہ ترجمہ لکھا۔ اور اللہ نے اپنے خاص فضل سے مجھ سے یہ کام لیا".....

واقفان حال بخوبی جانتے ہیں کہ آپ اس ترجمہ کی طباعت و اشاعت کے ضمن میں لاکھوں ریال لے سکتے تھے۔ جو وہاں دیئے جانے کی ایک روایت بھی ہے اور اس میں کوئی شرعی ممانعت بھی نہیں تھی۔ اور یقیناً وہاں کے لاکھوں ریال پاکستان کے کروڑوں کے حساب سے رقم بنتی تھی۔

اور آج اب جب آپ رب تعالیٰ کے حضور پہنچ گئے ہیں تو آپ کا وہ اکاؤنٹ مستقل جاری ہو گیا ہوگا جو یقیناً زندگی میں خیر و برکات کی شکل میں تو تھا ہی لیکن اب دنیا سے جانے کے بعد رب تعالیٰ کے کتنے انعامات کے آپ مستحق بنیں ہونگے؛ سبحان اللہ! ۔ اللہ تعالیٰ ایسا قابل رشک جذبہ اور اپنے دین کا ایسا کام ہم سب سے لے جس کا بدل انعام کی صورت میں ہمارے لئے آخرت کا ذخیرہ ہو۔ آمین!۔

دَرسِ عبرت

مولانا مفتی منیب الرحمٰن

موجودہ سیاسی کھیل میں مولانا فضل الرحمن نے اپنی اُفتادِ طبع، تحمل اور دُور اندیشی کے سبب اپنی قائدانہ حیثیت کو ایسا منوایا کہ سب اُن کی تعریف میں رطب اللّسان ہو گئے حتیٰ کہ پی ٹی آئی کو جنہوں نے اُن کی توہین میں دینی، سماجی اور تہذیبی اقدار کی ساری حدیں عبور کر لی تھیں، ایسا یوٹرن لینا پڑا کہ اپنے آپ پر ہنسی آتی ہوگی یا رونا آتا ہوگا، نجانے اپنے ضمیر کو کیسے مطمئن کرتے ہوں گے، لیکن آج اُن کے نزدیک مولانا کی تعریف سب سے بڑی سعادت کی بات ہے۔ مولانا نے قومی اتفاقِ رائے پیدا کرنے میں بڑی ذہنی اور فکری کاوش کی، جو انتہائی قابلِ تحسین ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے پی ٹی آئی کو اس آئینی ترمیم کا حصہ بنا دیا۔ آج وہ بظاہر انکار کے باوجود چیف جسٹس کیلئے پارلیمانی کمیٹی کی رکنیت اختیار کر کے نظام کا حصہ بن چکے ہیں۔ ولی دکنی نے کہا تھا:

پہلے جو ''آپ'' کہہ کر بلاتے تھے، اب وہ ''تُو'' کہتے ہیں۔ وقت کے ساتھ خطابات بدل جاتے ہیں۔ اس شعر میں آپ تصرّف فرما کر ''آپ'' کی جگہ ''تُو'' اور ''تُو'' کی جگہ ''آپ'' لکھ دیں تو کچھ لوگوں کی حقیقت آپ کو سمجھ آجائے گی۔

تاریخ یہ فیصلہ کرے گی کہ خان صاحب کی حکومت کے پورے عرصے میں جنرل فیض حمید نے سیاسی اور پارلیمانی بندوبست کو اپنے ہاتھ میں لے کر اُن کی سیاسی اہلیت کو نفع پہنچایا ہے یا نقصان؟۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا فضل الرحمن نے کسی حد تک ملک کو ایک بڑے سیاسی بحران سے بچا لیا اور امتناعِ ربا کیلئے آئین میں ایک حتمی تاریخ مقرر کرا کے ایک بڑا دینی ہدف حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ دینی مدارس کیلئے بھی ایک مطلوبہ ہدف خاموشی سے حاصل کر لیا، اس حوالے سے ہم اُن سے رابطے میں تھے۔ مولانا کے اس کردار میں دیگر دینی سیاسی جماعتوں کیلئے بھی درسِ عبرت ہے کہ کیا دین ومسلک کا اعلیٰ ترین ہدف آئے روز جلسوں، ریلیوں اور دھرنوں کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے یا اس کیلئے حُسنِ تدبیر وتدبُّر اور حکمتِ عملی کیساتھ ساتھ چہار دیواری کے اندر اجلاسوں میں اپنی قیادت اور کارکنوں کی تربیت اور ذہن سازی کی ضرورت ہوتی ہے، کیا ہر وقت سب کو ملامت کرنا مسئلے کا حل ہے۔ ہر قیادت کو یہ سمجھنا ہوگا کہ آج اگر انہیں قومی رہنمائی کا منصب مل جائے تو ملک جس حالت میں بھی ہے،

انہیں یہیں سے اُسے آگے لے کر جانا ہوگا' ہر ایک کو ادراک ہونا چاہیے کہ ملک کے حالات مثالی نہیں ہیں۔ بس یہی صلاحیت ہمارے ہاں کمیاب بلکہ نایاب ہے۔

دوسرا اہم سبق یہ ہے کہ اگر آپ نظام کے اندر ہیں تو کسی وقت تعداد کم ہونے کے باوجود آپ کی اہمیت غیر معمولی ہوسکتی ہے اور نظام سے باہر بہت بڑی عوامی حمایت کے باوجود آپ بے وَقعت ہیں' گنتی میں نہیں آتے' کیونکہ ہم ایک پارلیمانی جمہوری نظام کے اندر کام کر رہے ہیں۔ نظام سے اقتدار کے وہ ایوان مراد ہیں جہاں ہمارے ملکی وملّی امور کے فیصلے ہوتے ہیں۔ بعض دینی سیاسی جماعتوں نے آئے روز سڑکوں پر آنے کو سیاست کی معراج سمجھ لیا ہے اور اپنے آپ کو نظام سے باہر کر دیا ہے' کیونکہ ایسے لوگوں کو مقتدرہ' سیاسی حلیف وحریف سب ناقابلِ پیشگوئی سمجھتے ہیں۔ کسی صاحب نے پنجابی زبان کا یہ مقولہ نقل کیا تھا: ''عقل نہ ہووے تے موجاں ای موجاں' عقل ہووے تے سوچاں ای سوچاں''۔ کاش کہ ہم نعرہ زنی کی طلاطم خیز موجوں سے کچھ وقت نکال کر سوچوں کی طرف بھی آئیں' اپنی حکمتِ عملی کے نقائص پر غور کریں اور اُن پر قابو پا کر اپنی غلطیوں کی تلافی کریں۔ آج کل کسی سیاسی قیادت کی پسند کے خلاف مشورہ دینا اپنے آپ کو اُن کے جاں نثاروں کی نظر میں مغضوب' معتوب اور ناپسندیدہ بنانا ہے' لیکن کسی کو تو کلمۂ حق کہنا ہوگا۔

معروف صحافی ظہور احمد نے ''جاوِداں'' کے نام سے لاہور سے جو اخبار نکالا تھا' اس کی لوح پر اپنا اصول لکھا تھا: ''سب کی خبر دیں گے' سب کی خبر لیں گے''۔ آج کی صحافت کا اصول ہے: ''سب کی خبر بنائیں گے' سب کو خبر بنائیں گے''۔ الغرض صحافت کو کبھی مقدس فریضہ سمجھا جاتا تھا' لیکن چند مستثنیات کے سوا بہت پہلے دفن ہو چکی ہے۔ اب صحافت خواہشات کو خبر کا رنگ دینے یا حصولِ زر کا زینہ ہے۔ ایسی صحافت کیلئے اصول پسندی زہرِ قاتل ہے' اس لیے صحافی اس سے بچ کر رہتے ہیں۔ دوسرا المیہ یہ ہوا: وقت اتنا برق رفتار ہے کہ اُس کی نبض پر ہاتھ رکھنا صحافی کیلئے مشکل ہے' اگرچہ آج کے ''نام نہاد'' صحافی کو اداکار وصداکار کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ آسمانِ صحافت پر صرف چند ستارے رہ گئے ہیں' انہیں انگلیوں پہ گنا جا سکتا ہے۔ سب کی نظریں خبر لینے کیلئے نادیدہ مقام یا سونے کی کان کی طرف لگی ہوتی ہیں' صحافت اور اصول پسندی اب متضاد چیزیں ہیں۔ جب تک مطبوعہ ذرائع ابلاغ تھے' خبر کیلئے چوبیس گھنٹے کا انتظار برداشت کر لیا جاتا تھا۔ وقت اتنا سست رفتار تھا کہ بعض اوقات چوبیس گھنٹے گزرنے کے باوجود خبر تخلیق نہیں ہو پاتی تھی۔ پھر پی ٹی وی آیا' اس کے بعد نجی چینل آئے' پھر سوشل میڈیا کے مختلف الانواع ڈیجیٹل فورم آ گئے کہ سیکنڈ اور منٹ کے اعتبار سے خبریں تخلیق ہونے لگیں اور خبر نگاروں وتجزیہ کاروں کیلئے خبروں کا انتخاب مشکل ہوگیا۔ ڈیجیٹل میڈیا پر تبصرہ فروشی کرنے والے اپنے آپ سے شرمسار ہونے لگے کہ ابھی تبصرہ اور تجزیہ کر کے فارغ

نہیں ہوتے کہ وہ خبر باسی ہوجاتی ہے حتیٰ کہ اُس سے سڑاند آنے لگتی ہے۔اب سوچتے ہیں کہ اسے اَپ لوڈ کیا جائے یا نہ کیا جائے‘ اگر اپنے ضمیر سے حیا آئے اور اپ لوڈ نہ کریں تو مال کہاں سے آئے‘ الغرض مسائل کا انبار ہے۔گزشتہ کچھ عرصے سے ہمارے ہاں سیاسی اُکھاڑ پچھاڑ‘ مکالمات‘ مذاکرات اور جوڑ توڑ میں اتنا اتار چڑھاؤ آتا رہا کہ اُسکی خبر نگاری مشکل ہوگئی‘ کسی کو معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ اگلے لمحے کیا تبدیلی آئے گی۔ ہماری عدلیہ آج جس مقام پر پہنچی ہے‘ اس بارے شاعر نے بہت پہلے کہا تھا: میں

اگر ''سوختہ ساماں'' ہوں تو یہ رُوزِ سیاہ
خود دکھایا ہے‘ میرے گھر کے 'چراغاں'' نے مجھے
''کافر'' مری تذلیل نہ کر سکتا تھا
یہ ''سوغات'' عطا کی ہے ''مسلماں'' نے مجھے

اس رباعی میں اگر 'کافر' کی جگہ ''مقتدرہ''، ''مسلمان'' کی جگہ ''عدلیہ''، ''چراغاں' کی جگہ ''عدلیہ کی بے لگام آزادی''، اور سوغات' کی جگہ ''عدلیہ کا زوال'' مراد لے لیں تو معنویت سمجھ میں آجائے گی۔

الغرض! خان صاحب کو بھی اس مقام پر خود خان صاحب اور آئین وقانون سے بالا عدلیہ نے پہنچایا ہے۔عدلیہ نے ''بے لگام آزادی'' کا اتنا بے دردی سے استعمال کیا کہ پورے نظام کو اپنے شکنجے میں جکڑ کر جام کر لیا اور ''جوڈیشل کُو'' کی اصطلاح ایجاد ہوئی۔ایوانِ عدل کو سیاست کا اکھاڑا بنا دیا‘ آئین وقانون کے بجائے پسند اور ناپسند پر مبنی فیصلے ہونے لگے‘ ایسے کرتوتوں کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔اسی طرح عمران خان اپنے موجودہ انجام کے خود ذمہ دار ہیں‘ انہیں کسی اور کو ملامت کرنے کے بجائے خود کو ملامت کرنا چاہیے‘ لیکن ہمارے ہاں اپنے تزکیہ اور احتساب کی سرے سے کوئی روایت ہی نہیں ہے‘ جبکہ خان صاحب تو اپنے آپ کو ''راستی'' کا مظہرِ کامل سمجھتے ہیں۔ اگر وہ اپنے عہدِ اقتدار میں اپنے مخالفین کو جینے دیتے تو انہیں کچھ اور نہیں چاہیے تھا۔انہیں خان صاحب کے انتقام سے بچنے کیلئے مقتدرہ کی پناہ لینی پڑی۔اگر اہلِ سیاست ایک دوسرے کو فنا کرنے اور نشانِ عبرت بنانے کے بجائے برداشت کرنے کا جذبہ پیدا کرتے تو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بنتے‘ اب ایک دوسرے کی بربادی کا باعث بن گئے ہیں اور اس میں ہر ایک کی باری اپنے اپنے وقت پر آجاتی ہے۔راحت اندوری نے کہا ہے:

لگے گی آگ تو آئیں گے گھر کئی زد میں
یہاں پہ صرف ہمارا مکان تھوڑی ہے

اجلاس مسؤلین بلوچستان

مولانا سید عبدالرحیم، دارالعلوم چمن

پیر (دوشنبہ)، 18 ربیع الثانی 1446، (21 اکتوبر 2024) کوئٹہ میں تمام مسؤلینِ بلوچستان بشمول اراکینِ عاملہ واراکینِ امتحانی کمیٹی وعلاقائی نظماء کا یک اہم اجلاس ہوا، اس اجلاس میں مندرجہ ذیل مہمانانِ گرامی شریک ہوئے:

1- شیخ الحدیث حضرت مولانا عبیداللہ خالد صاحب مدظلہم، نائب صدر وفاق المدارس العربیہ (مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی)

2- شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب مدظلہم (ناظمِ اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ)

3- حضرت مولانا عبدالمجید صاحب مدظلہم (ناظمِ مرکزی دفتر وفاق المدارس)

اجلاس کا آغاز: اجلاس کا آغاز حضرت قاری غلام رسول صاحب مدظلہم، جامعہ رحیمیہ کوئٹہ (مسؤل حفظ، کوئٹہ) کی تلاوت سے ہوا۔

بیان مولانا صلاح الدین ایوبی صاحب مدظلہم:

تمہیدی باتیں: تلاوت کے بعد حضرت مولانا صلاح الدین ایوبی صاحب مدظلہم، مہتمم جامعہ دارالعلوم چمن (ناظمِ وفاق، صوبہ بلوچستان) کا بیان ہوا۔

حضرت ناظمِ بلوچستان نے مہمانانِ گرامی قدر کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرکے اُن کی آمد کو میمون قرار دیا۔ اور ساتھ ہی حضرات مسؤلین دامت برکاتہم کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا: کہ بہت سے مسؤلین سفر کی مشقت برداشت کرکے بہت دور سے آئے ہیں، اور امانت اور دیانت پر زور دیتے ہوئے فرمایا: کہ وفاق کی چھت رحمت کی چھت ہے اسی کے ذریعے ہم آپس میں رابطے میں رہتے ہیں اور وفاق کی بقا ہماری بقا ہے۔

بیان حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب مدظلہم:

سب سے پہلے حضرت ناظم اعلیٰ صاحب دامت برکاتہم نے تمام مسؤولینِ بلوچستان کا شکریہ ادا کرکے فرمایا: کہ بندہ آپ حضرات کا بے حد ممنون ہے کہ آپ نے دور دراز علاقوں سے بامشقت سفر کرکے ہماری دعوت پر یہاں حاضری دی اس میں مَیں آپ کا شکر گزار اور ممنون ہوں۔

پھر فرمایا: کہ 17 اکتوبر 2024 کو پشاور میں اور 20 اکتوبر 2024 کو کراچی میں اس طرح اجلاس میں شرکت کر کے آیا ہوں، اور بتایا کہ آج سے 65 سال پہلے اسی اکتوبر کے مہینے میں (سن 1959) وفاق المدارس کی تاسیس ہوئی اور اب یہ سارے اجلاسات بھی اکتوبر کے مہینے میں ہو رہے ہیں، اس وقت وفاق جوان تھا اور آج الحمدللہ بہت مضبوط بن چکا ہے، اغیار کی طرف سے مسلسل اس کے توڑنے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور سب کے سب ناکام اور نامراد ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس اجلاس کا بنیادی مقصد:

حضرت ناظمِ اعلیٰ صاحب مدظلہم العالی نے فرمایا: کہ اس اجلاس کا مقصد آپ حضرات سے مشاورت کرنا مقصود ہے، آپ حضرات فقط مسؤلینِ امتحانات نہیں ہوتے بلکہ مسؤلین وفاق ہوتے ہیں، آپ حضرات کا کام سعادت بھی ہے اور ثواب بھی اس لئے اللہ تعالیٰ کو جواب دِہ بھی ہیں۔ میں نے ایک دن کسی امتحان ہال کے طلبہ سے کہا: کہ ایک امتحان فرش پر ہے اور دوسرا عرش پر (یعنی اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھ کر امتحان دو، اور نقل کی کوشش نہ کرو) اور حضرت ناظم صاحب مدظلہم نے ایک بڑی عجیب سی بات بتائی: "کہ وفاق کے جتنے عہدے ہیں سارے کے سارے من قبیل التفویض ہیں، کسی عہدے دار آج تک کوئی عہدہ طلب نہیں کیا گیا، عہدے مانگے نہیں جاتے بلکہ دیے جاتے ہیں"، نیز فرمایا: کہ آپ حضرات وفاق اور مدارس کے درمیان جسر اور پُل ہیں، اس لئے آپ لوگوں کا کام وصل کا ہے (ہمزۃ الوصل کی طرح)، اور آپ ہمارے لئے بمنزلۃ السمع والبصر ہیں۔

مسؤول کی ذمہ داریاں:

اس بارے میں ارشاد فرمایا: کہ آپ کو جو جو ذمہ داریاں بذریعہ خط موصول ہوئی ہیں اُن کو بجالانا ہے، اور ضوابط اور قواعد کو از بر یاد کرنا ہے، اور ساری چیزیں ریکارڈ میں ہونی چاہئیں، ماہنامہ وفاق المدارس کو پڑھنا چاہئے، فیصلوں پر عمل درآمد نہ بھولنا چاہئے، مدارس کا رابطہ آپ سے اور آپ کا رابطہ وفاق سے مضبوط ہو، تمام ذمہ داریاں خادم سمجھ کر کریں حاکم سمجھ کر نہیں، مراکز کے تعیّن میں احتیاط اور ضابطے سے کام لیا جائے، اور نگران عملے کے تقرر میں آپ مستقل ہیں، آن لائن کی تعلیم اور جز وقتی تعلیم وفاق المدارس کا حصہ نہیں، تعلیم اور تربیت دونوں پر زور دینا، آپ حضرات غیرِ جانب دار ہیں، اور جانچ پڑتال (مارکنگ، عملیۃ التفتیش) کیلئے ذی استعداد ممتحنین کا انتخاب بھی آپ حضرات کا کام ہے، تمام، مدارس کا جائزہ لیں کہ کس مدرسے نے داخلہ نہیں بھیجا اور کیوں؟ اور اپنے صوبے میں تعلیم کے فروغ کے فکر کریں۔ اور اخیر میں حضرت والا ناظمِ اعلیٰ صاحب مدظلّہم نے تمام مسؤولین کے سوالات کے جوابات دئے۔ (باقی صفحہ نمبر: ۴۲)

اجلاس مسئولین وفاق صوبہ خیبر پختونخوا

مولانا مفتی سراج الحسن

مورخہ 15 اکتوبر 2024 بروز منگل جامعہ دارالفرقان الکریم حیات آباد پشاور میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان صوبہ خیبر پختونخوا کیاراکین مجلس عاملہ، اراکین امتحانی کمیٹی اور مسئولین کا ایک اہم اجلاس وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سینئر نائب صدر و مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک شیخ الحدیث حضرت مولانا انوارالحق صاحب زید مجدہم کی صدارت اور ناظم وفاق المدارس العربیہ پاکستان صوبہ خیبر پختونخوا استاذ الحدیث جامعہ عثمانیہ پشاور حضرت مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی نگرانی میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی میزبانی اور سرپرستی کا شرف شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ دارالفرقان الکریم حیات آباد پشاور حضرت مولانا سید عبدالبصیر شاہ صاحب مدظلہ العالی نے حاصل کیا۔

اجلاس کے مہمان خصوصی وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب دامت برکاتہم العالیہ تھے۔ جبکہ جامعہ فاروقیہ کراچی کے مہتمم و نائب صدر وفاق المدارس شیخ الحدیث حضرت مولانا عبیداللہ خالد صاحب زید مجدکم، ناظم مرکزی دفتر وفاق مولانا عبدالمجید صاحب، اور مولانا احمد حنیف صاحب کے علاوہ اراکین عاملہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد انور صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب، استاد حدیث حضرت مولانا محمد حسن جان صاحب اور رکن امتحانی کمیٹی حضرت مولانا شوکت علی حقانی صاحب نے خصوصی طور پر شرکت کی۔ تلاوت کلام پاک اور نعتیہ کلام کے بعد حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے اجلاس میں بھرپور شرکت پر تمام مسئولین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ایجنڈا اجلاس کے مطابق خطاب فرمایا۔ حضرت نے اپنے خطاب میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور مدارس میں نظم وضبط کی اہمیت وافادیت، مسئولین کے فرائض اور دائرہ کار، امتحانی نظام میں مزید استحکام پیدا کرنے اور امتحانی مراکز، نگران عملہ کی تقرری اور امتحان کے متعلق جملہ قواعد وضوابط پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ آپ کے خطاب اور ہدایات کے بعد وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے مفصل خطاب فرمایا۔

آپ نے اپنے خطاب میں مسئولین کی بھرپور حاضری پر ان کا شکریہ ادا کیا جبکہ اجلاس کے لیے مثالی اور شاندار

انتظامات پر حضرت مولانا حسین احمد صاحب اور حضرت مولانا سید عبد البصیر شاہ صاحب اور ان کے جملہ رفقاء کو زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔

تمہیدی اور شکریہ کلمات کے بعد حضرت ناظم اعلیٰ صاحب نے فرمایا کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کئی اعتبارات سے اللہ تعالی کی طرف سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔اس کی برکت سے تمام دینی مدارس نظم کے حوالے سے ایک ہیں۔ ملک گیر سطح پر دینی مدارس کی ایسی فعال اور مربوط تنظیم کی مثال کسی اسلامی ملک میں نہیں۔ یہ دینی مدارس کے تحفظ کے لیے ایک سائبان ہے۔وفاق المدارس العربیہ پاکستان وحدت کی علامت ہے۔

وفاق کی طاقت کو کوئی کمزور نہیں کرسکتا یہ ہمارے اکابر کی امین جماعت ہے۔ مدارس کی بقا اور استحکام کو اللہ تعالی نے وفاق سے جوڑا ہے۔ مدارس دینی علوم کے چوکیدار ہیں اور وفاق المدارس ان چوکیداروں کا چوکیدار ہے۔آج مدارس کے خلاف استعماری قوتیں متحد ہوچکی ہیں تاہم اتحاد واتفاق کے ذریعے مدارس کے خلاف ہر سازش کو ناکام بنا دیں گے۔خیبر پختونخوا کا وفاق المدارس کے ساتھ بہت بڑا گہرا تعلق ہے۔ وفاق کے پہلے صدر شمس العلماء مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ تھے۔وفاق کے پہلے ناظم اعلیٰ مفکر اسلام حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ تھے۔

رجسٹریشن کے حوالے سے آپ نے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ حکومت اپنے معاہدوں کی پاسداری کرے۔ہم نے کبھی رجسٹریشن سے انکار نہیں کیا۔حکومتی پالیسیاں رجسٹریشن میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ پہلے مدارس کی رجسٹریشن 1860 کے سوسائٹیز ایکٹ کے تحت محکمہ صنعت وحرفت سے ہورہی تھی۔ 2005 میں اس قانون میں ترمیم ہوئی جس کو قومی اسمبلی اور چاروں صوبائی اسمبلیوں سے منظور کرایا گیا۔یہی قانون تاحال نافذ العمل ہے کیونکہ اس کو معطل یا منسوخ نہیں کیا گیا ہے اس کے ہوتے ہوئے وفاقی وزارت تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت کے ساتھ رجسٹریشن کیسے ہوسکتی ہے؟ کیونکہ وہ ایک انتظامی حکم ہے۔ ابھی تک اس حوالے سے کوئی قانون سازی نہیں ہوئی۔قانون کے ہوتے ہوئے انتظامی حکم کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ہم 1860 کے سوسائٹیز ایکٹ کے تحت مدارس کی رجسٹریشن کے لیے تیار ہیں۔تاہم غیر آئینی اقدامات اور ہمارے تحفظات دور کیے بغیر یکطرفہ رجسٹریشن کبھی بھی تسلیم نہیں کریں گے۔اس حوالے سے ہم نے ارباب اقتدار واختیار کو اپنے تحفظات اور خدشات سے آگاہ کیا ہے اور ان کے پاس ہمارے تحفظات کا کوئی معقول جواب نہیں۔اس مسئلے میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور جمعیت علمائے اسلام یکساں مؤقف رکھتے ہیں۔اس موقع پر آپ نے مدارس کو درپیش جملہ مسائل کے حل کے لیسنجیدہ کوششیں کرنے پر قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب کی کوششوں کو زبردست الفاظ میں خراج تحسین بھی پیش کیا۔ ہر مشکل اور کھٹن صورت حال میں جمعیت علمائے اسلام کے قائدین ہمارے ساتھ شانہ بشانہ

کھڑے ہوتے ہیں اور تمام پیش آنے والے مسائل کا مل کر مقابلہ کرتے ہیں۔قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سرپرست ہیں۔رجسٹریشن، بینک اکاونٹس، غیر ملکی طلبہ کی تعلیم اور کوائف طلبی کے نام پر تنگ کرنا وغیرہ جتنے بھی مسائل ہیں ان پر ہم پوری استقامت اور جرات کے ساتھ اپنے مؤقف پر ڈٹے ہیں۔ہم مدارس کی آزادی اور خودمختاری کا تحفظ کریں گے۔

آپ نے مزید فرمایا کہ دنیا کی کوئی طاقت مدارس کی آزادی سلب نہیں کرسکتی۔رجسٹریشن اور کوائف طلبی کے نام پر مدارس کو تنگ کرنے کا سلسلہ اب بند ہونا چاہیے۔دینی مدارس کی آزادی وحریت پر سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا۔مدرسہ ہر حال میں آزاد اور خودمختار رہے گا۔مدارس اسلام کی بقاء کا ذریعہ ہیں۔یہاں ملک سے وفاداری اور محبت کی تعلیم دی جاتی ہے۔۔دینی مدارس کے خلاف مغربی ایجنڈے کی تکمیل نہیں ہونے دیں گے۔مدارس کے تحفظ کے لیے آخری حد تک جائیں گے۔ملک کے کسی بھی کونے میں موجود مدرسے کا تحفظ کیا جائے گا۔ہم مدارس کا دفاع کرنا جانتے ہیں۔وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے تمام دینی مدارس کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ہم آہنگ نصاب دیا ہے۔اور اس کی نگرانی کررہا ہے۔وفاق کی نصاب کمیٹی نئے تقاضوں کے پیش نظر نصاب میں تبدیلیاں کرتی رہتی ہے۔ہم عصری تقاضوں سے بخوبی واقف ہیں اسی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر مدارس نے اپنے نصاب میں عصری مضامین کو جگہ دی ہے لیکن دوسری طرف عصری تعلیمی اداروں میں اسلامی تعلیمات کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی یہی وجہ ہے کہ آج بڑے مناصب اور کلیدی عہدوں پر فائز لوگ بھی دین کی بنیادی تعلیمات سے نابلد ہیں۔

آپ نے مسؤلین کو چند ضروری ہدایات دیتے ہوئے فرمایا کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کو مستحکم کرنے میں اصل کردار آپ لوگوں کا ہے۔وفاق کا نظام آپ لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ دلجمعی سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔آپ وفاق کے مفادات کے محافظ ہیں۔متعلق مدارس کے ساتھ باہمی ربط اور تعلق میں مزید استحکام پیدا کریں۔کیونکہ آپ حضرات صرف امتحانات کے مسئولین نہیں ہیں۔وفاق کے تمام تر خدمات باعث اجر وثواب ہیں۔آئے روز طلبہ وطالبات کی تعداد میں اضافے کی پیش نظر ہماری ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوتا جارہا ہے۔امتحانات سے پہلے نگران عملہ کی تربیت کرنا بہت ضروری ہے۔رپورٹ لکھنے میں وفاق کے قواعد وضوابط سب سے اہم اور مقدم ہیں۔مراکز میں طلبہ وطالبات کی سہولت کو پیش نظر رکھیں۔امتحان کے دوران مراکز کا معائنہ کرنا مسئول کی ذمہ داری ہے۔امتحانی ایام میں عمرہ اور دیگر اسفار سے گریز کریں۔الحاق میں وفاق کے جملہ شرائط کو مدنظر رکھیں۔تنظیمی اور سیاسی اختلافات کی بنیاد پر الحاق اور امتحانی مراکز کی تقرری میں ضد بازی وفاق کی پالیسی کے بالکل خلاف ہے۔آپ وفاق کے قواعد وضوابط کے مطابق زیادہ سے زیادہ مدارس کو وفاق کے ساتھ ملحق کرائیں۔

اکابرین کے اس ورثہ کی حفاظت کے لیے اس سنہری لڑی سے جڑے رہیں۔ حال بھی وفاق ہے اور مستقبل بھی۔ آپ نے امور مالیات میں امانت و دیانت پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ حسابات میں نہایت احتیاط کو پیش نظر رکھیں۔ حسابات ہر لحاظ سے بالکل صاف اور شفاف ہوں۔

حضرت ناظم اعلیٰ صاحب کے تفصیلی خطاب کے بعد وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نائب صدر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبیداللہ خالد صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے خطاب میں طلبہ و طالبات کی تعلیم وتربیت کی ضرورت واہمیت کو اجاگر کیا۔ آپ نے شعبہ حفظ کے امتحان کے متعلق بھی راہ نما اصول مرحمت فرمائے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سینئر نائب صدر و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ العالیہ نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دینی مدارس امن وسلامتی کے داعی اور شرح خواندگی بڑھانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ معاشرے میں دین کے حوالے سے جتنی بیداری ہے وہ دینی مدارس کی مرہون منت ہے۔ دینی مدارس کو آزادنہ خدمات کا موقع دیا جائے۔ مدارس اسلامی ملک اور اسلامی معاشرے کی ضرورت ہیں۔ دینی مدارس نظریاتی سرحدوں کے محافظ ہیں۔ مدارس کی آزادی حریت ہمیں اپنی جان سے بھی عزیز ہے۔ مدارس نے ہر وقت ملک وملت کی تعمیری خدمات انجام دی ہیں۔

اجلاس سے جامعہ عثمانیہ کے مہتمم شیخ الحدیث مفتی غلام الرحمن صاحب زید مجدہم، سابق ایم این اے، رکن عاملہ وفاق وناظم تعلیمات جامعہ حلیمہ پیز و شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد انور صاحب دامت برکاتہم العالیہ، رکن عاملہ وفاق شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم عربیہ شیر گڑھ مردان حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتھم العالیہ نے بھی خطاب کیا۔ اس موقع پر ناظم وفاق المدارس العربیہ صوبہ خیبر پختونخوا واستاذ حدیث جامعہ عثمانیہ پشاور حضرت مولانا حسین احمد صاحب زید مجدہم کو مدارس کی دلیرانہ اور حکیمانہ ترجمانی اور خدمات پر خراج تحسین پیش کر کے اکابر کے دست مبارک سے شیلڈ سے بھی نوازا گیا۔

ہر اعتبار سے بہترین، مثالی اور قابل تقلید انتظامات پر جامعہ دارالفرقان الکریم حیات آباد پشاور کی انتظامیہ اور مہتمم و شیخ الحدیث رکن عاملہ وفاق حضرت مولانا سید عبدالبصیر شاہ صاحب صد مبارک باد کے مستحق ہیں۔ ہر ممکن سہولت فراہم کرنے پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان تہہ دل سے جامعہ ہذا کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو مزید ترقی نصیب فرمائے۔ اور حضرت مولانا سید عبدالبصیر شاہ صاحب کو صحت و عافیت والی زندگی نصیب فرمائے۔

مولانا قاری محمد طاہر رحیمی رحمہ اللہ کی تالیفات

محمد اَحمد حافظ

الشیخ القاریٔ المقری حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ گوناگوں خصوصیات کے حامل جیّد قاری، عالم، ماہرِ علم وفن، مدرس، عابد وزاہد؛ اور پانی پتی روایت کے امین تھے۔ آپ کی ولادت 1360 ہجری مطابق 1939ء جالندھر میں ہوئی۔ ۱۱ رسال کی عمر میں قرآن کریم مکمل حفظ کرلیا تھا۔ تکمیل حفظ کے بعد استاذ القراء حضرت مولانا قاری رحیم بخش نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کے پاس گردان کے ساتھ ساتھ قراآتِ عشرہ کا ضبط کیا۔ 1384 ہجری میں جامعہ خیر المدارس ملتان سے شہادۃ العالمیہ کی سند حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں آیۃ الخیر استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد، مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود، حضرت علامہ محمد شریف کشمیری، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ ڈیروی، حضرت مولانا مفتی عبدالستار، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں، تعلیمی دورانیہ میں آپ ہمیشہ اپنے اساتذہ کے محبوب نظر رہے، خصوصاً آپ کو اپنے استاذ گرامی مجدد القراآت حضرت مولانا قاری رحیم بخش رحمہ اللہ سے والہانہ تعلق تھا، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد آپ ہی ان کے جانشین کہلائے۔ تمام دینی علوم میں رسوخ کامل تھا۔ آپ صاحب تصنیف تھے، تقریباً ایک سو تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ آپ نے 1411 ہجری میں مدینہ منورہ ہجرت کی، مسجد نبوی شریف میں ایک مدت تک قرآن کریم اور قراآتِ عشرہ کی تدریس سے وابستہ رہے۔ آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ہی 25 جمادی الثانی 1429 ہجری (2008) کو ہوئی اور جنت البقیع میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جوار میں قبر نصیب ہوئی؛ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمی رحمہ اللہ نے اپنی حیات مستعار میں کئی اہم علمی موضوعات پر قلم اٹھایا، اور حقیقت یہ ہے کہ موضوع کا حق ادا کردیا۔ حضرت قاری صاحب کے صاحبزادے مولانا قاری محمد شاکر رحیمی صاحب زیدہم (استاذ قراآت وقرآن کریم مسجد نبوی شریف) نے اپنے والد گرامی رحمہ اللہ کی علمی یادگاروں کی از سرنو اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے، جو یقیناً بہت بڑی علمی خدمت ہے۔ گزشتہ دنوں چند ایک کتب جو منظر عام پر آئیں اور

ہمیں تبصرے کے لیے موصول ہوئیں وہ حسبِ ذیل ہیں:

۱۔فضائل حفاظ القرآن:

1694 صفحات پر مشتمل اس کتاب کا مکمل نام ''فضائل حفاظ القرآن معہ علوم وقصص و اخلاق حملۃ القرآن'' ہے۔ یہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی یادگار تصنیف ہے۔ اس کتاب میں فضائل قرآن پر مشتمل 507 احادیث، حفاظ قرآن و اہل قرآن کے تین سو بتیس واقعات، تاریخ قرآن، عجائبات قرآن، معجزات قرآن، علوم و مباحث قرآن، حاملین قرآن کے آداب و اخلاق، قرآنی نفائس کا نادر اور بے مثال ذخیرہ شامل ہے۔ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے اور دونوں حصے ۱۳۹ ابواب پر مشتمل ہیں جن میں ذیلی فصول وعنوانات کے تحت بیش قیمت مواد پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب حقیقتاً گنجینۂ بے بہا ہے، یہ کتاب حفظ وقراآت کے ہر استاذ کے پاس ہونی چاہیے، اور طلبہ کے اِزدیادِ شوق و تشجیع کے لیے اس میں سے روزانہ کچھ نہ کچھ پڑھ کر سنانا چاہیے۔ اس کتاب پر شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظات شامل ہیں۔

۲۔ جمال القرآن مع شرح کمال الفرقان:

''جمال القرآن''، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا ایک یادگار مختصر جامع رسالہ ہے۔ اس کی متعدد شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمی رحمہ اللہ نے اس کی بسیط شرح لکھی ہے۔ اس شرح کی پہلی اشاعت 1404 ہجری 1984ء میں ہوئی تھی۔ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ اس کتاب کے ''عرضِ حال'' میں لکھتے ہیں: ''شرح ہٰذا کی چار امتیازی خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ ہر ہر مضمون، قاعدہ، فائدہ، تنبیہ پر حاشیہ کا نشان دے کر بقدر ضرورت اس کی پوری تفصیل کر دی گئی ہے۔

۲۔ بعض لمعات کے آخر میں ان کے مناسب بعض مضامین ضروریہ بعنوان تکملہ درج کیے گئے ہیں۔

۳۔ ہر لمعہ کے آخر میں مختصر لفظوں میں اس کا جامع خلاصہ لکھا گیا ہے۔

۴۔ اخیر میں رسالہ تجوید القرآن (نظم) اور رسالہ یادگار حق القرآن (نظم) جن کے متعلق حضرت مولف رحمہ اللہ نے درس جمال القرآن سے قبل یاد کرنے کا مشورہ دیا ہے، ان کو بھی تکمیلاً للفائدہ ملحق کر دیا گیا ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ یہ مجموعہ طلبہ و اساتذہ کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔ یہ کتاب 376 صفحات پر مشتمل ہے، جاذب نظر ٹائٹل، اعلیٰ

امپورٹڈ پیپر، دورنگا طباعت پر مشتمل ہے۔

۳۔فتح ابواب الدعاء:

حضرت قاری محمد طاہر رحیمی رحمہ اللہ کی یہ یادگار تصنیف پانچ سو سے زائد مسنون دعاؤں، اوراَوراد و وظائف پر مشتمل ہے۔کتاب 448 صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں قرآن کریم اوراحادیث شریفہ میں وارد شدہ ہر ہر موقع و محل کی مناسبت سے پڑھی جانے والی ماثور دعائیں اوراذکار جمع کیے گئے ہیں۔یہ کتاب 15 ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب کے شروع میں باب کا عنوان اوراس میں درج دعاؤں کی تعداد مذکور ہے۔قاری صاحب رحمہ اللہ نے اس میں بعض مجرب اعمال واورادبھی ذکر کیے ہیں۔یہ کتاب ہر خاص و عام کے لیے مفید ہے۔کتاب کے آغاز میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم کی تقریظ شامل ہے۔

۴۔دفاع قراءات:

یہ اپنے موضوع پر معرکۃ الآراء کتاب ہے۔حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمی رحمہ اللہ نے اس کتاب میں قراآت کی صحت کے ثبوت کے لیے قرّاء کا تعامل،قراءت پر امت محمدیہ کا اجماع،قراءت کے توارث وتسلسل پر نہایت شرح وبسط کے ساتھ تفصیل فراہم کی ہے۔یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے:

باب اول: نقاط واعرابِ قرآن۔**باب دوم:** قراآتِ سبعہ متواترہ۔سماعی وتوقیفی ہیں،نیز قراآت متواترہ کے مقابلہ میں روافض ملاحدۂ کوفہ کی من گھڑت قراءتوں کی سازش۔**باب سوم:** حدیث سبعۃ احرف کا متواتر وقطعی الثبوت ہونا۔**باب چہارم:** قراءسبعہ پر جرح وقدح اوراس کا دفاع ورَدّ۔

یہ اجمالی فہرست ہے۔تفصیلی فہرست 76 صفحات پر مشتمل ہے جب کہ کتاب کے کل 912 صفحات ہیں۔

یہ کتاب دراصل علامہ تمنا عمادی کی کتاب ''اعجاز القرآن و اختلاف قراآت'' جس میں علامہ تمنا عمادی نے قراآت کے ناقلین اور جملہ رواۃ پر عجیب وغریب اعتراضات اٹھائے ہیں۔جن کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اسلام پر سے امت کا اعتماد اٹھا کر نعوذ باللہ علوم قرآن کی حقانیت کو بازیچہ اطفال بنادیا جائے۔چنانچہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے علامہ تمنا عمادی مرحوم کے ان خیالاتِ فاسدہ کا دانداں شکن جواب دیا ہے۔کتاب پڑھتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ دفاع قراآت میں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کا قلم ایک پُرشور اور مہیب دریا کی طرح رواں ہے۔ہر ہر شبہے کا مدلل وسکت جواب دیتا چلا جارہا ہے۔یہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی یادگار کتاب ہے

جس پر اپنے اساتذہ گرامی حضرت مولانا قاری فتح محمد رحمہ اللہ اور حضرت مولانا قاری رحیم بخش رحمہ اللہ سے تحسین حاصل کی ہے۔اس کتاب پر حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمی صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) اپنے اسلاف کے نعم الخلف ہیں، قرا آت اور علوم قرا آت میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔انہوں نے تمنا عمادی کی باطل تحریرات کا ٹھوس جواب دیا ہے۔'' وکان احق بہا واھلہا'' مولانا قاری طاہر رحیمی صاحب نے ان کی خوب ہی خبر لی ہے۔اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب موصوف کے جہود و مساعی کو قبول فرمائے۔''

۵۔تحفۃ المراۃ فی دروس المشکوٰۃ:

672 صفحات پر مشتمل یہ کتاب حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے نوادر میں سے ہے اس کتاب کے تعارف میں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''بندہ ناچیز کو قائد ملت، مجدد سیاست، فقیہ اجل، محدث افخم حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کے دورِ اہتمام میں جامعہ قاسم العلوم ملتان میں عرصہ سات سال تک مسلسل علم حدیث کی شہرہ آفاق کتاب مشکوٰۃ المصابیح کی تدریس کا اعزاز و شرف حاصل ہوا۔اس دوران جو مختصر و اجمالی تقاریر و دروس طلباء کرام کو املاء کرائے گئے وہ بفضلہٖ سبحانہ کافی حد تک پسند کیے گئے۔یہ درسی اردو تقریر اب ''خیر المفاتیح لمشکوۃ المصابیح المعروف بہ تحفۃ المراۃ فی دروس المشکوٰۃ'' کے نام سے بعونہٖ عزوجلّ منظر عام پر آرہی ہے۔'' اس کتاب کے کل 672 صفحات ہیں۔دو رنگا طباعت ہے، امپورٹڈ پیپر، جاذب نظر ٹائٹل کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔اس کی معنوی خصوصیات کے متعلق اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ اس شخصیت کی تقاریر مشکوٰۃ ہیں جنہیں بجا طور پر بحر العلوم کہا جاسکتا ہے۔مضامین کتاب اجمال کے جمال سے مزین ہیں ایسے کہ قاری طویل تقریروں سے بچتے ہوئے اپنی منزل کو پالیتا ہے۔

۶۔''عمدۃ المفہم فی حل مقدمۃ المسلم''

صحیح مسلم شریف..... امام مسلم بن حجاج بن مسلم قُشیری رحمہ اللہ کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے۔اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ کتب حدیث میں بخاری شریف کے بعد ''مسلم شریف'' کا درجہ ہے۔بعض علماء نے اس کی حسن ترتیب اور دیگر چند وجوہات کی بنا پر بخاری شریف پر بھی ترجیح دی ہے۔اس کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت ''مقدمہ مسلم'' کی ہے۔امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف کے آغاز میں کتاب کے منہج اور فن کے تعارف پر مشتمل

ایک زوردار مقدمہ قلمبند فرمایا ہے۔ اس مقدمے میں روایت حدیث کے بنیادی قواعد، رُوات حدیث کے احوال سے واقفیت کے اصولوں، نقلِ روایت میں ضعفاء اور کمزور رُواۃ سے احتیاط، سند حدیث کی اہمیت اور حدیثِ معنعن کی قبولیت کی شرائط جیسے مباحث کو مفصل انداز میں بیان فرمایا ہے۔ طلبہ کرام کے لیے اس مقدمے کو صحیح طور پر سمجھنا ان کی علمی مہارت کا ثبوت ہوتا ہے۔ حضرت مولانا قاری محمد طاہری رحیمی صاحب رحمہ اللہ نے بجا طور پر اس مقدمے کی تسہیل وتشریح فرمائی ہے۔ یہ شرح علماء وطلبہ کے لیے ایک نادر تحفہ ہے۔

۷۔ ماینفع الناس فی شرح ''قال بعض الناس'':

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ اپنی جلالتِ شان، تعمق علم، وسعتِ نظر اور درجہ فضل وکمال کے باوصف احناف خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں زیادہ تر روایات امام مالک رحمہ اللہ سے لی ہیں۔ انہوں نے اپنے شیخ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے صرف دو روایتیں لیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے کوئی روایت نہیں لی۔ ان کے بعض اقوال کو ''قال بعض الناس'' کہہ کر بیان کیا ہے۔ امام الائمۃ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی کوئی روایت نہیں لی اور ان کے بعض اقوال کو بھی ''قال بعض الناس'' کے عنوان سے ہی نقل کیا ہے۔ البتہ اس نقل کے ساتھ ساتھ انہیں ہدف تنقید بھی بنایا ہے۔ حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمی رحمہ اللہ کی یہ تالیف، ماینفع الناس فی شرح قال بعض الناس کی ہی تشریح وتوضیح ہے اور صرف تشریح وتوضیح نہیں بلکہ مذہب حنفی کا دفاع بھی نہایت عمدہ انداز اور خوش اسلوبی سے کیا ہے۔

آغاز کتاب میں مقدمہ ''ماینفع الناس'' ہے جس میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ذکر خیر ہے۔ اسی مقدمے میں امام صاحب رحمہ اللہ پر کیے جانے والے معروف اعتراضات مثلاً: قلت روایت، شدت شرائط، ارجاء، ضعف الادلۃ، کثرت قیاس، قلت عربیت وغیرہ کے مسکت جوابات دیے ہیں۔ اس کے بعد مقدمہ صحیح بخاری پر بحث کی ہے۔ بخاری شریف میں جہاں جہاں ''قال بعض الناس'' کے عنوان سے امام بخاری نے کلام کیا ہے اس کا بے لاگ تجزیہ کیا ہے۔ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی یہ تالیف ایسی ہے کہ بخاری شریف پڑھانے والا کوئی بھی استاذ اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ یہ کتاب عمدہ طباعت اور دو رنگا پرنٹنگ کے ساتھ 448 صفحات پر مشتمل ہے۔ پاکستان کے اکثر معروف کتب خانوں پر دستیاب ہے۔

۸۔''زبدۃ المقصود فی حل قال ابوداؤد:

دورہ حدیث شریف میں ابوداؤد شریف اہم کتاب ہے۔اس میں امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ ''قال ابوداؤد'' کے عنوان سے مختلف احادیث کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔آپ رحمہ اللہ کی یہ رائے نہایت اہم اور وقیق ہوا کرتی ہے، جسے سمجھنے میں بعض اوقات طلبہ کو دقت پیش آتی ہے۔زیر نظر کتاب میں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے اسی ''قال ابوداؤد'' کو اپنے مقام علم کے مطابق حل فرمایا ہے۔اور گویا اہل علم طلبہ کے لیے حلوہ بنا کر پیش کر دیا ہے۔حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ اس کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''اثناءِ تدریس اندازہ ہوا کہ طلبہ دورہ حدیث اس کتاب (سنن ابی داؤد) کے ''اقوال ابی داؤد'' میں کافی دقت و دشواری محسوس کرتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ''ابی داؤد'' کے اقوال جن کے ذیل میں صاحب سنن عموماً وغالباً اسانید ومتون حدیث کے اختلاف، اضطرابات، جرح وتعدیل روات، وجوہِ نکارت احادیث، جیسی اہم چیزوں پر بحث کرتے ہیں، وہ متعدد مواقع میں اغلاق ودِقت کے حامل ہیں۔اس لیے خیال ہوا کہ صرف ''اقوال ابی داؤد'' کے متعلق ایک مختصر وجامع رسالہ مرتب کر دیا جائے تا کہ بالخصوص طلبہ کے لیے سہولت میسر آجائے۔

اس کتاب کی اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس پر اکابر علماء کی اہم تقریظات شامل ہیں۔جن میں حضرت مولانا قاری فتح محمد رحمہ اللہ، حضرت الشیخ مولانا قاری رحیم بخش رحمہ اللہ، محدث کبیر حضرت مولانا محمد شریف کشمیری رحمہ اللہ، شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد عبداللہ ڈیروی رحمہ اللہ، مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی علی محمد رحمہ اللہ (دارالعلوم کبیر والا) فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار رحمہ اللہ، حضرت علامہ مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ، اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ شامل ہیں۔ان اجلّ علماء کی آراء سے کتاب کی وقع واہمی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب بھی عمدہ طباعت اور دو رنگا پرنٹنگ کے ساتھ 178 صفحات پر مشتمل ہے۔اگرچہ مختصر ہے مگر علم کا بے بہا گنجینہ ہے۔

۹۔نصرۃ الراوی فی نظر الطحاوی:

احناف کی مایہ ناز کتاب ''شرح معانی الآثار'' جو ''طحاوی شریف'' کے نام سے معروف ہے۔فقہ حنفی کے بنیادی مستدلات کا اہم اور مستند ذخیرہ ہے۔ یہ امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی لاجواب تصنیف لطیف ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس کتاب میں منفرد اسلوب کے ساتھ مذاہب اربعہ کے جملہ اصول دلائل کا جائزہ لیتے ہوئے عقل ونقل، ہر دو اعتبار سے مذہب حنفی کا فائق تر ہونا ثابت کیا ہے۔

شرح معانی الآثار کی خاص بات ''نظر طحاوی'' ہے۔جس کی تفہیم نہایت دِقت نظری اور بصیرتِ فقہی کی محتاج ہوتی ہے۔حضرت مولانا قاری محمد طاہری رحیمی رحمہ اللہ نے اپنی جودت طبع کے مطابق ''نظر طحاوی'' کو نہایت سہل انداز میں حل فرمایا ہے۔ یہ کتاب بھی حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے علوم و معارف کا ایک جگمگا تا ہیرا ہے۔حسب سابق یہ کتاب دیدہ زیب سرورق، مضبوط جلد، دورنگا طباعت کی حامل ہے،کل صفحات 352 ہیں۔اہل علم خصوصاً طلبہ علوم دینیہ کے لیے نہایت مفید کتاب ہے۔

۱۰۔رہنمائے مدرسین:

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی یہ کتاب ''رہنمائے مدرسین'' درجات قرآنیہ کے اساتذہ اور طلبہ کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔گو حضرت قاری محمد طاہر رحیمی رحمہ اللہ کی طبیعت کسی ایک موضوع میں بند نہیں تھی لیکن بہر حال ان کا اختصاص حفظ وتجوید، اور قرا آت کے شعبے تھے۔انہوں نے برسہا برس خود کو حفظ وتجویدِ قرا آت کے لیے وقف کیے رکھا۔اس دوران انہوں نے جو تجربات کیے، مشاہدات ہوئے، اور اس سلسلے میں اپنے اساتذہ سے جو فیض ملا اس کی روشنی میں یہ کتاب ''رہنمائے مدرسین'' مرتب فرمائی۔

اس کتاب کی کل 13 فصلیں ہیں،جن میں تدریس قرآن اور حفظ قرا آت کے متعلق چار سو (400) سے زائد قوانین وضوابط اور ہدایات درج کی ہیں۔ان میں درجات حفظ کے انتظامی ضوابط وقوانین، تعلیمی قوانین، اساتذہ قرآن کے لیے خصوصی ضوابط، قرا آت پڑھنے والوں کے لیے خصوصی ضوابط، نورانی قاعدہ کی تعلیم کے قوانین، صفات وآداب برائے استاذ، صفات وآداب برائے شاگرد، حفظ قرآن اور قوتِ حفظ کے اَوراد واعمال، ایک سو سترہ اسلامی آداب واخلاق..... وغیرہ شامل ہیں۔ناچیز کی رائے میں کوئی بھی مدرس حفظ اس کتاب سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔جو شخص بھی اس راہ میں قدم رکھے ''رہنمائے مدرسین'' سے ضرور فائدہ اٹھائے۔

یہ تمام کتابیں ''ادارہ کتب طاہریہ'' ملتان سے طلب کی جاسکتی ہیں۔

رابطہ نمبر: 03365555786

محمد شاکر رحیمی 00966565555786

اشتہار